U22574 Date 5-1-10

Title – PAYAM-E-MOHABBAT.

Creator – Bhola Nath.

Publisher – Nawal Kishore Press (Lucknow).

Date – 1932.

Pages – 159.

Subjects – Tasawwuf; Falsafa.

124

Presented with best compliments to

The Hon'ble Justice Sir Shah Sulaiman Kt.

by

R K Khanna
(Registrar, Lucknow University)

1st January 1932

2976

Some Opinions about the Book.

The Hon'ble Khan Bahadur Justice Saiyad Muhammad Raza, Judge, Chief Court of Oudh, Lucknow, writes :—

"Payam-i-Mohabbat" is undoubtedly a work of great merit. Swamiji's choice of Persian verses is admirable. The discussion of 'Prem,' 'Duniya ki Haqiqat,' 'Prem ke izhar ka asli sabab,' 'Yaqin' and 'Husn-ki-Taswir,' in this book is very interesting and instructive. The Book is a sure and safe guide to those who have lost their way in the wilderness of worldly cares and anxieties. It will, if studied closely, quieten troubled hearts and lead weary souls to the Almighty. The spiritual man need not be a recluse. By reading such Books union with the Divine Life may be achieved and maintained in the midst of worldly affairs. It has been truly said :

"Darwesh Sifat bash o Kulahe Tatari dar."

R. B. Dr. G. N. Chakravarti, I.S.O., D. Sc., D. Litt., M.A., LL. B., F.R.S.A., Ex. Vice-Chancellor, Lucknow University, Radha Vilas, Benares City, writes :—

" I was much pleased to find in it an attractive presentment of those vital truths of life with which seekers of spiritual lore are familiar. That these appear in this book in the garb of Persian phraseology is, in some ways, an advantage, as there are to my knowledge, many devoutly ardent souls, even among the Hindus, who are ignorant of Sanskrit and to whom the vast store house of spiritual thoughts enshrined in that divine language is therefore barred and sealed. To such it will be a blessing to have some of the most inspiring ideas presented in a language with which they are familiar and in words which are sure to make an appeal to the highest and holiest that is in them."

اوم

کارے بغیر عشق نہ داریم در جہاں
عشق است کار ما و بدیں کار آمدیم

پیامِ محبّت

مُصنّفہ

۱۰۸ شری سوامی بھولا ناتھ جی مہاراج "ویدانت بھوشن"

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ
نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپا

(ॐ)

(श्रीमद्भगवद्गीता)

यो मां पश्यति सर्वत्र सर्वं च मयि पश्यति ।
तस्याहं न प्रणश्यामि स च मे न प्रणश्यति ॥

षष्ठोऽध्यायः (३०)

جو مجھ کو سب چیزوں میں دیکھتا ہے اور سب چیزوں کو مجھ میں دیکھتا ہے وہ کبھی مجھ سے
جُدا نہیں ہوتا ہے اور نہ میں اُس سے جُدا ہوتا ہوں -
(شریمد بھگوت گیتا) ادھیائے ۶ اشلوک ۳۰

فہرست مضامین

اُوم

للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست   آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

میرے مرشد پاک ۱۰۸ شری سوامی بھولا ناتھ جی مہاراج اپنی شمعِ نور کو آجتک چھپاتے رہے لیکن ع برچشمۂ خور سحاب تا کے ؛ بر چہرۂ تو نقاب تا کے ؛ صدہا کوششوں کے بعد حضور پُر نور نے کسیقدر اپنا مبارک کلام شائع کرنے کی اجازت دی ہے، آپکی پاک ہستی ایک نایاب ہستی ہے جسپر ہندوستان کو پھر سے ناز ہوگا، آنجناب مجسم پریم یعنی عشقِ الٰہی کے مخزن ہیں، فقرا کے سرتاج ہونے کی فوقیت رکھتے ہیں، لیکن بذات خود اپنے آپ میں سوائے عجز و انکساری کچھ نہیں دیکھتے اور اپنے آپ کو تحریر و تقریر میں "غلام روے زمین ظاہر کرتے ہیں بقول شخصے ع نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں ؛

صاحب موصوف کا کلام مردہ دلوں کو زندہ اور سنگ دلوں کو موم کرنے کا اثر رکھتا ہے، تمام مذاہب کے اشخاص بلا لحاظ مذہب و ملت آپکی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوتے ہیں کیونکہ حضور والا کی ہستی مذہبی تفرقات سے مبرّا ہے، آنجناب کی روحانی طاقت دائرہ تحریر و تقریر سے بالاتر ہے۔ (خاکسار کو متواتر چھ ماہ قدمبوسی حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے) پس میرا دعوے ہے کہ حضور کا درشن کسی متلاشیِ حق پر بغیر اثر کیے نہیں رہ سکتا ؎ آنکہ پاکیزہ سرشت ار بہ نشیند خاموش ؛ ہمہ از سیرتِ صافیش نصیحت شنوند ؛ خاکسار کی مدت سے دُعا تھی

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں   کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

۱۰۸ شری سوامی جی مہاراج لباسِ مجاز میں مجسم پریم بن کر تشریف لائے ہیں، میری نگاہ میں آنجناب محض پریم کا اوتار ہی نہیں بلکہ ساکشات بھگوان ہیں، پیامِ محبت محض اس غرض سے پیشکش کیا گیا ہے تاکہ یہ پیام دور دراز مقامات تک پہنچ سکے اور جہاں کہیں متلاشیِ حق موجود ہو اس مژدۂ بادِ بہاری کو پڑھکر تشریف لاے اور حضور پُر نور کی نایاب ہستی سے مستفید ہوے آپ کی طرف سے یہ کتاب بطور تحفہ پیش نظر ہے، مجھے یقین کامل ہے کہ پیامِ محبت رنجیدہ خاطر دنیا کو اس تجلّیِ نور کی طرف راغب کریگا جو کہ آنند کا بھنڈار ہے اور حضرتِ انسان کو اطمینانِ قلب دیگا۔ ایشور پرماتما کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

راقم

خاکسار رام رتن کھنہ (رجسٹرار لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ۔ یو۔پی)   مورخہ ۴۔مئی ۱۹۳۱ع

اُوم

دیباچہ

پیام حق پمفلٹ لکھنے کے بعد پریم کا کسی شریر کے ذریعہ یہ خیال ظاہر ہوا کہ اِسکے بعد کوئی چھوٹی سی کتاب عام فہم لکھی جائے، اِس خیال کی علت محض پریم اور حقیقی پریم تھا، اِس لئے اِس کے زیر اثر اِس کتاب کا ظہور بھی پریم ہی کے مضمون سے ہوا ہے، اِس کتاب میں کوئی خاص خوبی یا کشش ایسی نظر نہیں آتی جسکی وجہ سے آپ اسکی طرف مخاطب ہوسکیں، لیکن پھر تسلی اِس بات سے ہوتی ہے کہ ممکن ہے، پریم کا دلی اظہار یا پریم کا نام ہی ہر دِل کو اسکی طرف مخاطب کر سکے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اُوم پریم سے ہر ایک شخص پریم کرتا ہے، خواہ وہ بچہ ہو یا جوان یا بُوڑھا، یا کسی بھی مذہب کا کیوں نہو، کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، کیونکہ محبت ہی زندگی ہے اور زندگی محبت ہے ؎

مردِ بے عشق جسمِ بے جان است　　　جسمِ بیجاں غذائے حیوان است

اِس پریم کا ظہور ہر ایک شخص میں کسی نہ کسی صورت میں ہوتا ہی رہتا ہے، خواہ وہ اپنی ذات سے ہو یا زن و فرزند سے یا ملک یا دنیا اور نجات وغیرہ سے ہو، ہم دو ہی حالتوں میں زندہ رہتے ہیں، یا تو سکون یا حرکت میں، یا حصول یا تلاش میں، یا آرام یا جدوجہد میں، یعنی یا تو مقصود کو پاکر اور یا مقصود کی تلاش میں، اب مقصود کو حاصل کر کے زندہ رہنا عین وصل اور محبت ہے کیونکہ کسی بھی مطلوبہ شے کا ملنا راحت ہی ہوتا ہے اور تلاش کے معنی جُستجو یا خواہش کے ہوتے ہیں اور خواہش محبت کا دوسرا نام ہے، بس ہمارا اور ہماری زندگی کا قیام محض اس محبت سے ہے لیکن اس محبت کے ظہور میں فرق ہے جہاں اس کا ظہور محدود اسما و اشکال سے ہوتا ہے وہاں اسکی روشنی تاریکی سے گھری رہتی ہے یعنی محبت کے ساتھ ساتھ ہی نفرت کا وجود بھی قائم رہتا ہے اور محبّت کا ایسا تعیّن رنج و راحت سے بھرا رہتا ہے، یعنی جب ہم اپنے سے محبت کرتے ہیں تو غیروں سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں، اُن کے زر و مال اور آسائش کو اپنے آرام اور آسائش کا ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور ایسا فعل ہمیں رنج و راحت سے باہر نکلنے نہیں دیتا ہے، پس ہمیں تکلیف کا ظہور موجودہ حالت کو ناتسلی بخش ثابت کرتا ہے اور ہمیں اصلیت یا کلی محبت کی یاد دلاتا ہے اور ہم چار و نا چار اِس کو

ترک کرکے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں یعنی جسقدر پریم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر آرام کا دائرہ بھی بڑھتا جاتا ہے، لیکن اِس ترقی کے ساتھ ساتھ ہمیں اصلیت کسی نہ کسی طریقہ سے کلیت کی طرف کھینچتی رہتی ہے اور ہم اس کشش ازلی سے کھنچے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں، اِس ترقی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے یعنی آرام تکلیف وغیرہ سے جب انسان اپنے قلب میں عالمگیر محبت کو دیکھتا ہے جس میں کہ ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، خویش و اقارب ملک قومیت جنسیت وغیرہ کو دخل نہیں ہوتا وہاں یہ محبت سرورِ کامل کی صورت میں بدل جاتی ہے اور انسانی زندگی اس دُنیا میں نجات کو دیکھنے لگتی ہے یعنی God is no where. کی جگہ پر God is now here. کو محسوس کرنے لگتی ہے اور اس کے اندر سے بے اختیار یہ آواز نکلنے لگتی ہے ؎

منکہ امروزم بہشت نقد حاصل میشود ۔۔۔ وعدۂ فردائے زاہد را چرا باور کنم

؎

مرحبا صد مرحبا بر لطفِ بُرہانِ عشق ۔۔۔ فارغ از رسم و رہِ گبر و مسلماں ساختہ

نجات مکتی ایک ایسا لفظ یا حقیقت ہے جسکی طرف بیساختہ ہر ایک شخص رواں دواں ہے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، نجات مکتی کے

معنی کیا ہیں، چھٹکارا، یعنی تمام مخالفت گردش کشمکش بُرائی سے چھٹکارا،
مختصر یہ کہ مخالف خیال سے علیحدگی، اگر کوئی شخص اس خیال کو اپنے اندر پیدا
کرسکتا ہے تو وہ آرام میں ہے جیسے کہ حضرت شمس تبریز صاحب نے فرمایا ہے۔

دوئی از دل بدر کردم یکی دیدم دو عالم را
یکے بینم یکے گویم یکے دانم یکے خوانم

یعنی قلب سے غیریت کو اُڑا دیا ہے اور چاروں طرف ایک ہی ایک نظر آرہا ہے
قطرہ، لہر، دریا، بحر وغیرہ کے اسما و اشکال و افعال میں کسقدر فرق ہے
ایک دوسرے سے غیریت ہے، قطرہ محض ایک چڑیا پی سکتی ہے، اور بحر میں
لاکھوں پہاڑ غرق ہوسکتے ہیں، قطرہ میں ایک چیونٹی بھی نہیں چل سکتی اور سمندر
میں جہاز چلا کرتے ہیں، لہر پیدا ہوتے ہی مٹ جاتی ہے اور دریا مختلف نہروں
کو پیدا کرکے کئی خشک کھیتوں کو ہرا کرتا ہے، یعنی ایک دوسرے کا نام شکل فعل
جُدا ہے اور یہ دنیائے غیریت ہے اِس اختلاف کا مٹانا قطرہ کو لہر اور لہر کو دریا
اور دریا کو سمندر میں ڈالنا نہیں ہے، بلکہ اُن کے پیکر میں یا تعینات میں حقیقت کو
سامنے رکھنا ہے اور وہ پانی ہے، جب آنکھ تمام تعینات کو ترک کر دیتی ہے تو محض
پانی ہی پانی رہ جاتا ہے تمام کشمکش غیر و غیریت فتنہ و فساد خوردی اور بزرگی،

اپنا اور بیگانہ ظہور تعینات تک ہے اور حقیقت یعنی ذات ان تمام تعینات سے پاکیزہ اور منزّہ ہے، دوئم ان تمام تعینات کا ظہور قلب میں ہے اور جب ہم دل سے عالم تعیّنات کو اُڑا دیتے ہیں تو دنیائے وحدت کے اندر آجاتے ہیں اور پھر ہر تعیّن کے اندر ایک ہی حقیقت کو محسوس کرنے لگتے ہیں خواہ وہ قطرہ ہو یا لہر دریا ہو یا بحر ۵

عیاں کثرت میں وحدت ہو نہ کیونکر
کہ جب اشکال موہومہ کو رَم ہے

یعنی جب ایسے اشخاص قلب سے خیال باطل یا خیال غیریت کو دُور کر دیتے ہیں تو اُن کی زندگی اسی جسمانیت کے اندر تمام اسما و اشکال کے پردہ میں ایک ہی حقیقت کو دیکھنے لگتی ہے، اگرچہ تعینات میں وہ غیریت کے قائل بنے رہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ایک ہی ایک پکارا کرتے ہیں، اور ہر تعین کے ساتھ ساتھ اُس لاتعیّن کو دیکھا کرتے ہیں، یعنی نمود میں وجود کو دیکھا کرتے ہیں، کھیل میں تو "نمود" کے پابند رہتے ہیں اور باطن میں سوائے وجود کے غیر کو دیکھتے نہیں

دو ہی قسم کے اصول کام کر رہے ہیں، ایک وہ جو کہ "ہمہ اوست" کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو کہ ہمہ از دست کے قائل ہیں، بہرحال ان دونوں اصولوں کے اندر غیریت مفقود ہے ہمہ اوست یعنی ایک ہی ہے، ہمہ از اوست یعنی سب کچھ اُس سے

ہے یا سب کچھ اُس کا ہے، دوسرے الفاظ میں سب کچھ کا وجود بغیر اُس کے کچھ نہیں، پس جو چیز جس کے ہونے سے ہو اور جس کے نہ ہونے سے نہ رہے وہ اُس سے جُدا اپنی ہستی کا اقرار کیسے کر سکتی ہے لیکن دونوں کی تہ مین ایک بات تو ظاہر ہے 'ہمہ اوست'، 'سب کچھ وہ ہے'، اس میں تعیّنات کے شور و غل میں اُس حقیقت کو یاد کرایا جاتا ہے، یعنی قطرہ، لہر، گرداب، دریا، بحر وغیرہ سب کچھ پانی ہے، اِس حالت میں دو باتوں کا ظہور ہو رہا ہے، ایک تو قطرہ، بحر، دریا، گرداب وغیرہ، اور دوسرے پانی، اب دونوں کا اجتماع کسقدر ناممکن معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کہاں پانی اور کہاں قطرہ، بحر وغیرہ، پھر ان میں اتحاد کا کون سا طریقہ ہے، اِس اختلاف سے نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے، یہ غیریت وحدت کو کیسے ظاہر کر سکتی ہے، جب ہم قطرہ سے آب کو دیکھتے ہیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قطرہ نہیں آب ہے، گرداب نہیں آب ہے، حباب نہیں پانی ہے، یعنی قطرہ و حباب وغیرہ آب کے ساتھ اپنی ہستی سے انکار کرتے ہیں، اپنی فنا آب میں ظاہر کرتے ہیں، اور اِس فنا میں بقا کو دکھاتے ہیں -

ناتھ	آب میں قطرہ و دریا کچھ نہیں	خاک میں ذرّہ و صحرا کچھ نہیں
ناتھ	قطرہ میں جلوہ نما ہے آب گویا غیر لا	اور قطرہ کہہ رہا مجھ سے ہین قطرے بیشمار

یعنی تمام کثرت آب میں اپنی فنا کو ظاہر کرتی ہے اور آب کا ظہور کرتی ہے، پس قطرہ وغیرہ چونکہ آب کے بغیر کچھ نہیں اس لئے آب ہی آب ہے، پس یہ تمام تعینات آب سے علیحدہ کچھ نہیں، یعنی قطرہ دریا وغیرہ سب پانی ہی ہے -

دوسرے "ہمہ از دست"، سب کچھ اُس سے ہے،

اِس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اُس سے ہے جو کہ کامل اور لامحدود ہے، پس یہ سب اُس کے بغیر کچھ نہیں، ہر دو حالتوں میں ایک ہی اصلیت کو سامنے رکھا جا رہا ہے یعنی قطرہ، حباب، لہر، دریا وغیرہ سب کچھ آب سے ہے یعنی بغیر آب کے کچھ نہیں، یہ سب کچھ کچھ بھی ہو لیکن ہمیں تو اُس اصلیت کی طرف مخاطب ہونا ہے جو کہ عین خوبی اور راحت کی جان ہے، ہمارا کام تو اِس "سب کچھ" کے ساتھ اُس کے تعلق کو دیکھ کر چل سکتا ہے، جب ہم چودھویں رات کے چاند میں روشنی کو دیکھا کرتے ہیں تو اُس وقت داغ کا خیال ہی کہاں آسکتا ہے، گُل کو دیکھتے ہوئے کانٹا کب نظر آتا ہے، پروانہ روشنی کے تعلق میں فانوس اور مٹی کے دیوا وغیرہ کو نہیں دیکھتا ہے، قلب عاشق معشوق کے تعلق میں کسی بدصورتی کو نہیں دیکھ سکتا ہے اگر دیکھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عاشق نہیں، کیونکہ عاشق کی تعریف یہ ہے کہ جو سوائے معشوق کے دوسری طرف

نہ دیکھے اور معشوق اُس کو کہتے ہیں جس جیسا دوسرا موجود نہ ہو، اگر عاشق کو معشوق سے پیار ہے تو معشوق کی اشیا سے کیسے نفرت ہو سکتی ہے، اِس لئے اگر دُنیا وہ ہے تو بھی نفرت کس سے اور اُسکی ہے تو بھی نفرت کیوں؟ بہر حال اِس نفرت کو مٹا کر محبت حقیقی کو پیدا کرنا ہے، اور اِس پریم کے ذریعہ نجات یا مکتی کو دیکھنا ہے چونکہ عدم نفرت ظہور محبت ہے اور یہ ظہور عین راحت ہے، شری رادھے جی کو بھگوان کرشن کا دیا ہوا زخم کسقدر پیارا تھا، جس کو یار کا کانٹا پیارا لگتا ہے اُس کو گُل سے نفرت تو ہو ہی نہیں سکتی،

جب پریمی کا دل ہر چہار طرف اُس حقیقت کو محسوس کرنے لگتا ہے یا اُسکے تعلق کو دیکھنے لگتا ہے تو وہ ایک سرور لاانتہا میں ڈوب جاتا ہے اور نجات وغیرہ کو اپنے سے دُور نہیں بلکہ اپنے اندر دیکھنے لگتا ہے، دائرہ کا آغاز اور انجام ایک ہے پہلے سکون ہے اور اُس کے معنی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے، اُس کے بعد حرکت ہے اور یہ حرکت اپنے آغاز کی طرف مائل ہے، پہلے 'وہ' ہے پھر 'تو' ہے پھر 'میں' ہوں، اس لئے اِس دائرہ میں ہر ایک کے لئے جگہ ہے، 'وہ' والے کو 'تو' اور تو والے کو 'میں' والے سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ہر ایک شخص کو اپنے کلاس اور اُسکی کتابوں سے تعلّق ہے، نہ کہ

دوسرے سے لڑنے کی ضرورت ہے، بہرحال 'وہ'، 'تو' 'میں' میں ایک ہی حقیقت کام کر رہی ہے یا ایک ہی گردش کے تین مدارج ہیں یعنی 'وہ'، 'تو' اور 'تو' 'میں' بن جاتی ہے، آغاز اور انجام کے ایک ہونے کے وقت جن کے اندر 'تو' کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے وہ 'تو'، 'تو' کرتے ختم ہو جاتے ہیں، یعنی اپنے انجام میں 'تو' کو دیکھتے ہیں یا اپنی 'میں' کو 'تو' کے سپرد کر دیتے ہیں، اور جن کے اندر 'میں' کا غلبہ ہوتا ہے وہ 'میں' کو قائم کر دیتے ہیں، ہر دو حالتوں میں غیریت مفقود ہو جاتی ہے۔ جب 'تو' کہتا ہے تو اپنی 'میں' کو اُس کے سپرد کر دیتا ہے اور جب 'میں' کہتا ہے تو 'تو' کو ساتھ نہیں لینے دیتا، جسکے اندر جس خیال کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے وہ اُسی کو نتیجہ میں ظاہر کرنے لگتا ہے، کوئی کسی راستہ سے آئے، کسی طریقہ سے چلے منزل مقصود ایک ہے ؂

نہ من بر آن گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

خواجہ حافظ

جب ہم ہر ایک خیال اور ہر شخص سے محبت کرنے لگیں گے تو ہمارے لئے تکلیف کہاں رہ سکتی ہے؟

لیکن وہ ماتا ہے پتا ہے، ہم اُس کے بچے ہیں، ہم کو اس تمام

اختلاف میں زینت کو دیکھنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے اندر اُس حقیقت کو دیکھنا چاہیئے جس سے کہ ہمارے دلوں میں محبت پیدا ہو، مثال آپ میرے سامنے ہیں، میں آپ کے سامنے ہوں، آپ مجھ کو محبت سے دیکھتے ہیں، میں آپ کو نفرت سے دیکھتا ہوں، آپ کے سینے میں گُل ہے، میرے قلب میں خار ہے، دل میں نفرت کو رکھنے کی جگہ آگ کا شعلہ کیوں نہیں رکھ لیا جاتا ہے، پس (ایک پتا ایکس کے ہم بارک) جب ہم ہر شے میں اُس حقیقت کو دیکھنا شروع کرتے ہیں تو ہمارے اندر ہر وقت چین کا سمندر لہرانے لگتا ہے اور ہم مکتی کو اپنے سامنے دیکھنے لگتے ہیں ؎

مغربی — بر اُمیدِ وعدۂ فردائے گُل — بیش ازیں با خار نتوانم نشست

اِس کتاب کا مضمون پریم ہے جسکے دوسرے معنی راحت نجات کے ہیں اور ہر ایک شخص کو اسکی ضرورت ہے، لیکن عبارت وغیرہ فصاحت و رنگینی سے خالی ہے، امید کرتا ہوں کہ آپ اِس کو اپنی محبت کی نظر سے خوبصورتی عطا فرمائینگے، ؎

کوئی تو ہے اس قدر میرے قدِ پر ردائے عیش
ڈھانکوں جو پاؤں کو تو یقین ہے کہ سر کھلے

اِس کتاب کا پہلا ظہورِ پریم ہے یعنی پریم کیا چیز ہے اور اُس کے نتائج کیا ہیں، دوسرا دُنیا کی حقیقت ہے یعنی جس میں دُنیا کے اندر اُس اصلیت کو ظاہر کیا گیا ہے

جو کہ عین خوبی ہے، تیسرا مضمون یقین کا ہے، یعنی جبتک کہ ہم کسی بات کو سمجھ کر اُس پر یقین نہیں کرتے ہم اُس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، چوتھا پریم کے اظہار کا اصلی سبب ہے اور پانچواں حُسن کی تصویر ہے۔

۱۔ پریم، ۲۔ دُنیا کی حقیقت، ۳۔ پریم کے اظہار کا اصلی سبب،

۴۔ یقین، ۵۔ حُسن کی تصویر،

جب ہم دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں تو ہمکو پریم کے اظہار کا سبب معلوم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہم یقین کی دنیا میں رہنے لگتے ہیں، یعنی ہم اس اصلیت سے اپنا رشتہ پیدا کر لیتے ہیں جو کہ سب جگہ موجود ہے، زاں بعد "حُسن کی تصویر" جب ہر وقت ہمارے سامنے رہنے لگتی ہے تو ہمارے لئے سوائے راحت کے اور کچھ رہ نہیں جاتا۔

یہ کتاب بہت ہی جلدی میں لکھی گئی ہے اس لئے امید کرتا ہوں کہ اسکی غلطیوں پر نظر نہ رکھتے ہوئے خود ہی اسمیں خوبی کو بھر لیں گے۔

آخر میں اُس حقیقت اعلیٰ و افضل سے یہی پرارتھنا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنی تجلی سے لبریز کرے اور ہمارے اندر حقیقی محبت کو بھر دے، جس سے یا تو ہم ہر وقت اُسی کو دیکھیں یا اُسکی دنیا کو دیکھیں، جیسے آفتاب کو ہم اُسی کی روشنی سے

دیکھ سکتے ہیں، ویسے ہی اُس حقیقت کو اُسکی کرپا سے یا نور سے دیکھ سکتے ہیں

مغربی

لیک رویش رانبود روے او دیدن تواں

گرچہ مانع دیدہ راز دیدنش جز نور نیست

آمین

ادم شم

(نوٹ)

اگر اُس اعلیٰ حقیقت کو منظور ہوا تو اِس کے دوبارہ چھپنے پر اسکی بے ترتیبوں کو دُور کرنے کی کوشش کیجائے گی، اس میں جن شعرا کے نام یاد نہیں آے اُنکے اشعار پر کوئی نام نہیں دیا گیا یا بقول شخصے یا کوئی شاعر کردیا گیا ہے، یہ کتاب بھی جسم کی بے ترتیب حالت یعنی بیماری میں لکھی گئی ہے، اس وجہ سے بھی اس میں شکستگی زیادہ ہے،

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

ناچیز
غلام مرتضےٰ زبین

ا

اُوم

پریم

ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کُشا
درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد
خواجہ حافظ

آرام و شانتی کا مخزن کون سا ہے؟ آنند کا بھنڈار کہاں ہے؟ کس کے ملنے پر تمام تکالیف رُوپوش ہو سکتی ہیں۔ دل کی بیتابی اور جلن کے مٹنے کا کون سا طریقہ ہے اس تمام جدوجہد میں منزل کون سی ہے؟ اُس کی پراپتی کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب۔ او بھولے آتما پرش! ذرا اپنے سینے میں دیکھ کہ کیا موجود ہے۔

تیرے سینے میں تو پنہاں بحرِ بے پایاں ہے — اور تو قطرے کے پیچھے شاکی و نالاں ہے
کر دے عالم کو جو پنہاں تجھ میں وہ طوفاں ہے — اور تو ساحل پہ بیٹھا اس طرح گریاں ہے
دوئی کا پردہ پکڑ کر کر دے غافل تار تار
اور اپنے آنسوؤں کا اے گلے میں ڈال ہار
ناتھ

Arise ! Awake ! and stop not till the goal is reached

شانتی کا مخزن کون سا ہے؟ پریم، آنند کا بھنڈار کہاں پر ہے؟ پریم میں تمام
تکالیف کا مٹنا کیا ہے؟ حصول پریم! گویا تمام امراض کا ایک موثر علاج پریم ہی ہے

مولانا رومی

شاد باش ای عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

فاش میگویم واز گفتۂ خود دلشادم　　بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

کوکب بخت مرا ہیچ منجم نشناخت　　یارب از مادر گیتی بچہ طالع زادم

خواجہ حافظ

طائر گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق　　کہ دریں دام گہ حادثہ چوں افتادم

(۱) آنند اور سرور کی تلاش سے پہلے ہمیں صرف اتنا دیکھنا ہے کہ تکلیف کا باعث کونسا ہے، یا تکلیف کی تعریف کیا ہے وہ دستو جس کے ملنے پر دل میں مخالفت پیدا ہو وہی تکلیف ہے۔ ہم دنیا کے بیرونی حصہ میں رنج و راحت کا کوئی خاص استھان مقرر نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ بیرونی اشیا بذات خود اپنے میں کوئی صفت نہیں رکھتی ہیں جبتک کہ ہمارے دل کا تعلق اُن کے ساتھ پیدا نہ ہولے' یہ ایک روشن اَمر ہے کہ ہم ایک چیز سے پیار کرتے ہیں دوسرا اُسی سے نفرت کرتا ہے۔ شمع میں اُنگلی رکھنا ہمارے لئے عین عذاب ہے لیکن پروانہ بیچارہ ترستا ہے کہ کب اُس کو اس وصل سے سرفرازی حاصل ہو، وہ اُس کے موافق ہے اور ہمارے مخالف ہے۔

شخصے

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اُسنے　　رہرو! رشک کی جا ہے سفر پروانہ

ہر ایک چیز میں یہی حال نظر آتا ہے، ہم جس کو مفید سمجھتے ہیں دوسرا اُس کو غیر مفید سمجھتا ہے، ہم پہاڑی کی بلندی کی طرف مخاطب ہیں اور اُس طرف کو چل رہے ہیں اور چڑھائی چڑھائی پکار رہے ہیں، لیکن اُسی جانب سے آتا ہوا شخص اُسی کو اُترائی کہتا ہے، آفتاب ہمارے لیئے روشنی کا باعث ہے اور چمگادڑ وغیرہ کے لئے تاریکی کا باعث بنتا ہے! وہی آگ جب کسی کا چولھا گرم کرے تو آرام اور جب کسی کا گھر جلاتی ہے تو وہی تکلیف کا سبب معلوم ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیرونی شئے کسی خاص صفت سے موصوف نہیں ہے' یہی دُنیا ہے جس میں اگیانی پرش جدائی کو اور گیانی پرش خدائی کو دیکھتا ہے، کیونکہ اُس کی نظر کسی اور طرح سے مائل ہے اور اس کی کسی اور طریقہ سے' وہ "خدا" کا نقطہ نیچے ڈالے بیٹھا ہے اور یہ جُدا کے نقطہ کو اُوپر دیکھتا ہے سے

ناہتہ اِک نظر کا ہے بدلنا اور اس جا کچھ نہیں در میان موج و قطرہ غیر دریا کچھ نہیں

پس بیرونی عالم کیا ہوا صرف "ہے" اور کچھ نہیں، یہ "ہے" اپنی ذات میں ایک عجیب چیز ہے جو کہ ہمارے دل سے تعلق پیدا کر کے مختلف اسماء و اشکال پیدا کر لیتا ہے، گلچین پھول کو توڑتا ہے بلبل اُس کے لئے مٹتی ہے، ہم شمع کو بجھانے کے لئے تیار رہتے ہیں اور پروانہ اپنا آپ اُس کو سونپ دیتا ہے۔

ایک مہاتما جو کسی طرف کو جارہے تھے راستہ میں مارے سردی کے ٹھٹھرنے لگے۔ کسی سپاہی کو پیار سے چھیڑ دیا، اُس نے اُن کو گرفتار کر لیا اور ساتھ ہی رات کاٹنے کے لئے ایک کمبل بھی دے دیا۔ مہاتما ہنسنے لگے کہ یہ سزا ہے یا آرام' یہی دار جو دِل ہلانیکا کام کرتی ہے حضرت منصور صاحب کے واسطے عین راحت یا پیارے کے گھر کا زینہ ثابت ہوئی ہے

بقول شخصے　　دار پر چڑھ کر کہا منصور نے　　آج اپنا بُول بالا ہو گیا

مَوت جس سے ہر ایک شخص ہراساں ہے جو کہ تمام تعلقات کے لئے جدائی کا پیغام ہے جس نے کسی بھی دو چیزوں کو اکٹھا نہ رکھنے کا وعدہ کیا ہوا ہے، جس سے ہر ذی رُوح نالاں ہے۔ بالی اُس مَوت میں ہستی جاوید کو دیکھتا تھا کیونکہ اُس کا خیال اُس موت کے ساتھ کسی اور صورت میں لگا ہوا تھا۔

مجنوں سے ایک دِن چند مانگنے والوں نے کہا کہ تو کس غلطی میں مبتلا ہے، تو نے جس کے لئے اپنی زندگی کو عیش و آرام سے خالی کر دیا ہے اور جس کے لئے تو قیس سے مجنون بن گیا ہے' اُس کے دل میں تو تیرے لئے محبت کا ذرہ بھی نہیں ہے' مجنون کسی صورت میں بھی اس بات سے اتفاق نہ کر سکتا تھا۔ اُس کا دل لیلیٰ کی محبت کو کسی اور کان سے سُنتا تھا، اُس کے دل کی محبت کسی بیرونی چاپلوسی کی محتاج نہ تھی، لیکن

۵

اُس نے پھر بھی کہا کہ اس کا ثبوت کیا ہے، تس پر سب نے کہا کہ ہم جلدی اِس بات کا فیصلہ کیے دیتے ہیں، جمعرات کو لیلیٰ غربا کو کچھ نہ کچھ بانٹا کرتی ہے اور ہم لوگ اُس دِن کے منتظر رہا کرتے ہیں کل ہی وہ دِن آنے والا ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلنا پھر سب کچھ آپ ہی ظاہر ہو جاویگا، خیر جمعرات کو یہ سب لوگ وہاں پہونچے، غربا کی لائن میں مجنوں بھی موجود تھے، وہ سب سے پیچھے کھڑے تھے محض اس لیئے کہ میرے لئے لیلیٰ سب سے آگے بڑھ کر دیتی ہے یا نہیں؛ یا اُن لوگوں نے ہی کچھ سمجھ کر مجنوں کو اپنے پیچھے کھڑا کر رکھا تھا، اب عجیب واقعہ دیکھیئے لیلیٰ ہر ایک کے کاسہ میں کچھ نہ کچھ ڈالتی جا رہی تھی، مجنوں بھی کچھ سُوچ کر آگے بڑھے اور اپنا کاسہ بھی آگے کیا بس پھر کیا تھا لیلیٰ نے اُس کی طرف دیکھا اور نہ معلوم کیا سوچا! بڑھی اور بڑھ کر مجنوں کے ہاتھ کو نیچے سے ہاتھ مار کر پیالہ توڑ دیا، بس اس حرکت کو دیکھ کر ہر ایک آنکھوں کے اشارے سے مجنوں کو کچھ سمجھایا ہی چاہتا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں "مجنوں مارے خوشی کے ناچ رہا ہے" لوگوں نے کہا کہ کیا اِسی کا نام محبت ہے تو وہ کہنے لگا کہ تم اس راز سے کیا واقف ہو سکتے ہو، بھلا "اِتنا تو بتاؤ کہ تمھارا پیالہ کیوں نہ توڑ دیا" معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ پر خاص حق رکھتی ہے، اُس نے میری خواہشات کے پیالہ کو توڑ کر مجھے شہنشاہ کر دیا ہے؛ دوسرے لیلیٰ کے خیال میں مجنوں سوائے لیلیٰ کے کسی اور چیز کا طالب نہیں ہو سکتا، پھر عاشق

اپنے معشوق کے سامنے پیالہ کرتا ہے تو کس لئے، لیلی کا اشارہ تھا کہ پیارے اِس کاسہ میں جو کچھ آسکتا ہے اُس کی تجھ کو طلب نہیں ہے اور جسکی تجھ کو طلب ہے وہ اِس پیالہ میں نہیں آسکتا۔ اب مجنوں کو کس قدر خوشی ہے جس سے وہی واقف ہو سکتا ہے واقعی

زبانِ بلبلاں آنانکہ می دانند می دانند　　　کہ زاغِ شُوم و شمن نالہ موزوں چہ می داند

گرامی صاحب　طپیدن ہا چہ می داند دلِ افسردۂ زاہد　　　ادائے کاوشِ نشتر رگِ بےخوں چہ می داند

لیکن اگر لیلی کے ہاتھ سے کسی اور کا پیالہ ٹوٹ جاتا تو ممکن ہے کہ وہ لیلی کو بھی کچھ بُرا بھلا کہہ بیٹھتا۔ فرق کہاں ہے ؟ دل میں، مجنوں کی نظر لیلی پر کسی اور طریقہ سے پڑ رہی ہے اور باقی غربا کی کسی اور طریقہ سے، پس بیرونی عالم میں کوئی چیز کسی خاص صفت سے ملبوس نہیں ہے ! یہ آپ ہی کے دل کی حالت ہے جو کہ اِس کو مختلف رنگ دے دیتی ہے، پس ثابت کیا ہوا کہ جو چیز ہمارے دل کے موافق ہو وہ عین آنند اور جو اِس کے مخالف ہو وہ عین تکلیف ہے۔

اِختصار، دل کی مخالفت تکلیف اور موافقت آرام ہے۔

مُخالفت کے لئے دوسرا لفظ کون سا ہے ؟ "عدمِ اُلفت" یعنی پریم کا نہ ہونا۔

پس دکھ کا سروپ کیا ہے ؟ پریم کا نہ ہونا اور اِس کے مخالف موافقت کیا چیز ہے ؟

مخالفت کا نہ ہونا یعنی پریم کا ہونا۔

پس مخالفت کا نہ ہونا۔ موافقت اور موافقت آرام اور آرام پریم ہے۔

اس لیے سکھ یا آنند کیا چیز ہے "پریم"

پئے نافہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو ‌ ‌ ‌ بخیال حلقۂ زلف او گرہے خور و بہ ختن درآ
ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ ‌ ‌ ‌ تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ ‌ ‌ ‌ بقول شخصے

نتیجہ کیا نکلا، کہ ایک ماتر پریم ہی سکھ ہے اس کے بغیر جیون پھیکا ہے، زندگی خشک ہے، بہشت لایعنی ہے، سیر گلزار بے معنی ہے۔ اگر ایک شاہی محل میں پریم مفقود ہے تو وہ محل کسی شمشان بھومی سے کم خوفناک نہیں، اور اگر ایک کُٹیا میں یہ چراغ روشن ہے تو اُس سے بہتر اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اگر مجنوں کو بہشت لیلیٰ کو نکال کر دیا جاوے تو وہ بہشت اُس کے لئے کیا ہو سکتا ہے، برندابن کی آرائش اور گلکاریاں گوپیوں کے چت کو صرف بھگوان کرشن کی موجودگی میں ہی موہت کر سکتی ہیں، پس اگر مجھے خار سے پریم ہے تو اُس میں صد گلزار موجود ہیں، اور اگر گل سے نفرت ہے تو وہ چیز خار سے کم نہیں ہے۔

اب امیر کون ہے، آرام میں کون ہے، بہشت میں کس کی موجودگی ہے جس کے دل میں پریم ہے"

ایک پرندہ کو کسی صیاد نے پکڑ کر قفس میں بند کر دیا، وہ رونے لگا، حیران تھا اپنے پروبال و منقار قفس کی تیلیوں سے مار مار کر پھوڑ رہا تھا قیامت کی آگ اُس کے سینہ میں تھی، دُنیا اُس کے لئے اندھیر تھی۔کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ قفس سے مخالفت اور کسی گلزار یا آشیانہ وغیرہ سے محبت رکھتا تھا، یہ ہجر اُس کے سینے کو چُور چُور کر رہا تھا، یہ فراق نا قابل برداشت تھا، باغ کی آزادی اور قفس کی قید رہ رہ کر اُس کے دل کے سامنے آ رہی تھی، وہ ہر طرح بدحواس تھا، اُس کے لئے کوئی چین کی صورت نہ تھی فلسفہ، منطق، دلائل، طرح طرح کے خیالات اُس کے لئے لایعنی ہو رہے تھے، اُس کے اندر پریم نہ تھا۔ مٹھاس مفقود تھی، وہ ایسی جگہ پر تھا جہاں کہ اُس کے لئے پریم کا پرشاد نہ تھا، وہ ایسی حالت میں زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی گلزار کا حصول سمجھتا تھا، اُس کا ہر آنسو کا قطرہ صد طوفان آتش تھا، اُس کے پروبال اُس کو سوئیوں کی طرح چُبھ رہے تھے، اُس کے چہرے کی سُرخی اُس کو آگ کی طرح جلا رہی تھی، وہ ہر طرح حیران تھا صرف اس لئے کہ بیچارے کے پاس قفس کے لئے پریم نہ تھا، اس کا درد حد سے گزرنے لگا، اتنے میں نہ معلوم اُس کو کیا سُوجھی کہ یک لخت ہنسنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ کہنے لگا ؎

ہم کو اے صیاد پر دلئے رہائی کیا رہی جی قفس میں لگ گیا اپنا چمن سے بھی سوا ظفرؔ

بقول شخصے گوشہ میں قفس کے ہمیں آرام بہت ہے نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں

اُس نے کسی طریقہ سے قفس کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کیا اور پریم کی دنیا میں سیر کرنے لگا۔ اب قفس اُس کے لئے قفس نہ تھا قید قید نہ تھی، اُس کو اس تمام نقشے میں اب راحت نظر آرہی تھی، صرف اِس لئے کہ اُس کے پاس اُس وقت قفس کے لئے پریم موجود تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پریم وہ نایاب دولت ہے کہ جس کے بغیر کچھ بھی نہیں اور جس کے ہونے پر سب کچھ ہے، اوپریم تو کہاں پنہاں ہے، تیری پنہائی کسی بھی طوفان سے کم نہیں، تیری رُوپوشی ایک قیامت ہے، تیرا غائب ہونا موت اور تیری موجودگی عین راحت اور زندگی ہے !

۲۔ (سوال) اِس پریم کا استھان مقام کون سا ہے، ہم کہاں سے اِس کو حاصل کر سکتے ہیں، کس بازار میں کس دوکان پر یہ مل سکتا ہے، چیز تو واقعی قابل قدر ہے لیکن اتنی ہی نایاب بھی ہے، عنقا کی طرح گم ہے، لاپتہ ہے، لامکاں ہے۔ لازماں ہے، منت اور سماجت سے حاصل نہیں ہوتا، دوربین سے دیکھا نہیں جاتا، کتابوں میں نظر نہیں آتا، در و دیوار میں معدوم ہے، پس ایسی لاپتہ چیز کو ہم کہاں سے حاصل کریں، کاش کہ اُس تک رسائی ہوتی

جواب خیز و جامِ عشق تے راازکنار خود بگیر ٭ اے اسیر جستجوے درمیان منزلے ناتمہ

پریم کا استھان کون سا ہے ؟ صرف اپنے اندر کی طرف مخاطب ہوکر دیکھیئے۔

ایکہ عمرے درپئے اومی دویدم سو بسو ناگہانش یافتم با دل نشستہ روبرو
مغربی صاحب آخرالامرش بدیدم معتکف درکوے دل گرچہ بسیارے دویدم درپئے او کو بکو

ایک آدمی کچھ سرمایہ حاصل کر کے ایک جگہ کو جا رہا تھا راستہ میں اُس کو ایک ٹھگ مِلا اُس نے پوچھا "بھائی جی کہاں جاتے ہو" اِس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے گھر کو جا رہا ہوں، ٹھگ نے کہا کہ "آپ کا گھر کہاں ہے" اُس نے کہا فلاں جگہ پر، ٹھگ کہنے لگا "آپ کا گاؤں میرے راستہ میں ہی پڑتا ہے، مجھے تو کچھ اور بھی آگے جانا ہے، اس لئے اگر ناگوار یا بار نہ ہو تو کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں"۔ اُس نے کہا مجھ کو اس میں کیا انکار ہو سکتا ہے، آنند رہیگا، ہمراہی ہوں گے، باتیں کرتے ہوئے راستہ جلد کٹ جائے گا، راستہ کی تکالیف بہت ہلکی ہو جاوینگی، میرے خیال میں بھگوان نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیج دیا ہے۔ زہے نصیب جو آپ میرے ساتھ چلیں! ٹھگ نے اِتنا کہہ کر ساتھ ہی اپنا راہ لیا۔

رات کو ایک مسافر خانہ میں ٹھہرے، اِس آدمی کو تھوڑی دیر تک کشمکش تو ضرور رہی اُس کو اپنے سرمایہ کا خیال تھا، وہ اس کی مکاریوں سے واقف ہو چکا تھا، اُس کو اپنا سرمایہ کسی محفوظ جگہ پر رکھنا تھا، ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے

اُس نے کوئی محفوظ جگہ دیکھی اور وہیں اپنا مال رکھدیا اور کچھ عجیب انداز سے لیٹ گیا نہیں بلکہ سو گیا یہاں تک کہ خرّاٹے لینے لگا، ٹھگ جس نے تمام سفر کی زحمت صرف اسی ننّھے سے مال کے لئے اُٹھائی تھی جو کہ موتیوں کی شکل میں تھا خود بھی خراٹے بھرنے لگا یعنی اُس غریب پر اپنی بے خبری کا اظہار کرنے لگا، ادھر یہ آدمی سو گیا اور اُدھر وہ ٹھگ اپنی قسمت کے جاگنے کے خواب دیکھنے لگا، اُٹھا اِدھر اُدھر دیکھا اُس کی بیہوشی کو اپنی خوش بختی سمجھ کر ایک ایک چیز کو دیکھنے لگا لیکن سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ حیران تھا کہ اس کے پاس موتی بھی ہیں اور میرے ساتھ ہی سویا ہے کہیں باہر نہیں گیا۔ پھر کیا قیامت ہے کون کھا گیا، خیر اُس نے کہا کہ آج تک کا اپنا تمام علم نکما ہوا جا رہا ہے کل دیکھا جائے گا، اپنے آرام سے لیٹ گیا، دوسرے دن بھی وہی حال ہوا، سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ لگا حتّٰی کہ تین روز اسی طرح سے گذر گئے۔ سرمایہ دار کا گھر آ گیا اُس نے اس سے رخصت چاہی اور کسی خیال سے اپنی جیب کو ٹٹول کر موتیوں کی ڈبیہ نکال کر اُن کو دیکھنے لگا، ٹھگ حیران تھا کہ میں نے تو کتنی مرتبہ اسکی جیب ٹٹولی، مجھے تو سوائے خالی جیب کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ یہ غضب کا جادوگر یا ٹھگ ہے کہ جس نے مجھ کو پتہ تک بھی نہیں چلنے دیا۔ میں تو ہر جگہ اور ہر حالت میں ہر چیز کو دیکھ اور سمجھ لیتا ہوں، میں باریک سے باریک ذرّوں کو دیکھ سکتا ہوں، سینۂ کوہ میں دبی ہوئی

اشیا کو نکال سکتا ہوں، یعنی ہر بات کو خوب سمجھ سکتا ہوں، نہ معلوم یہ کون ہے اور اپنے مال کو کہاں پر رکھتا رہا جس سے میں بالکل ناآشنا ہوں، ٹھگ کا دل واقعی اِس معمّہ نے چُرا لیا وہ اپنے آپ کو ایک لاعلم سمجھنے لگا اُس کو اپنی طاقت پر یقین نہ رہا، وہ اِس کے آگے طفلِ مکتب کی شکل میں کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ "اے اُستادِ کامل! کیا تو مجھے اس راز سے آگاہ کر سکتا ہے کہ تو اپنی اس دولت کو کہاں رکھتا رہا، مجھے معاف کریں ٹھگ تھا میں ایک مُدّت سے تیرے پیچھے لگا ہوا تھا، میں تیری اِس دولت پر قابض ہونا چاہتا تھا، میں ہزار حیلہ اور جستجو کے ساتھ تیرا ہمراہی بنا تھا ہر رات اور ہر وقت اِسی خیال میں مصروف تھا کہ کسی طرح تیرے اِن موتیوں کو لے لُوں، لیکن تمام جستجو اور مکاریوں کے بعد سوائے افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ لگا، اے مہربان! کیا تو بتا سکتا ہے کہ تو اپنی دولت کو کس جگہ پر رکھتا رہا۔ اُس نے ہنس کر کہا کہ میں تو اِس دولت کو تیرے ہی سپرد کر دیتا تھا، ٹھگ حیران ہوا اور پُوچھنے لگا کہ وہ کیسے؟ اُس نے کہا کہ جب رات کا وقت ہوتا تھا تو میں اِن موتیوں کی چھوٹی سی ڈبیا کو تیری ہی جیب میں ڈال دیا کرتا تھا، یہ سُن کر ٹھگ کے سینہ اور دل پر آرے چل گئے حیران ہو کر دل ہی دل میں کہنے لگا کہ اگر مُجھ کو معلوم ہوتا کہ یہ لاانتہا دولت میری ہی جیب میں تھی تو میں اِتنی محنت کیوں کرتا اور بعد میں دستِ تاسّف کیوں مَلتا، ٹھیک ہے نزدیک کی چیز

دیکھنے میں نہیں آتی ہے، واقعی اس آدمی کو خوب محفوظ جگہ ملی مجھے اپنی ہی جیب پر یہ گمان کب ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص اسقدر لا انتہا دولت کو بلا دریغ کسی کے سینہ میں رکھ سکتا ہے۔ واقعی یہ اسی کا کام تھا میں نے سارا وقت باہر ہی کی چھان بین میں لگا دیا اور سوائے تکان کے کچھ حاصل نہ کر سکا، وہ منزل جس کا راستہ لا انتہا دور معلوم ہوتا ہے وہ تو منزل ہی راستہ ہے یا راستہ ہی منزل ہے۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ ؂ والی بات ہے۔

جو غافل وصل میں ہو کے تلاش وصل میں بھاگے
نہیں بخدا اُس کی دوری کی نہ اندازہ ہے ہجراں کا ؂ ناتھ

ہے فراق اب یہ آرزو کہ وصالِ آب ہو کس طرح
یہ خیال وصل ہے ہجر سا اسے ترک کر یہ وصال ہے
ہے حجابِ ہستی ذات جو وہ خیالِ ہستی خام ہے
اسے چھوڑ جائے یہاں پہ جو اُسے پھر کے آنا محال ہے ناتھ

ٹھیک اسی طرح - پاس کھڑا نظروں میں نہ آوے ایسو رام ہمارو رے
پریم کا مکان کون سا ہے ؟ پیارے!

یوسفِ گم گشتہ را بیروں مجو اندرونِ چاہِ دل یابی سُراغ بقول شخصے

اِس پریم کا استھان تمھارے آتما میں ہے، دیدۂ دل اس سے روشن ہے،
اس کے بغیر اور کچھ نہیں، اپنے آتما میں پریم کا استھان نہ ماننا پرلے درجہ کی ناسمجھی ہے
کون ہے جو اپنے آتما میں پریم نہیں رکھتا، پریم آتما کا وہ جوہر ہے جو اُس سے کسی وقت
پر بھی جُدا نہیں ہوسکتا، جیسے آہو اپنے نافہ سے غافل رہتا ہے ویسے ہی ہم اس سے
پرمانند حاصل کرتے ہوئے بھی غافل رہتے ہیں، ہم نہیں سمجھتے کہ ہماری زندگی کا
قیام محض اسی چیز سے ہے، ہم اسی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں رہتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال — اگر زاں برق بے پروا درون او تہی گردد — بچشم کوہ سینا مے نیرزد با پر کاہے

ہم ہر وقت اِس پریم کو مختلف حالتوں میں ظاہر ہوتا دیکھتے ہیں۔ مثلاً بیٹا!
عورت! تعلقات! گھر! جائداد وغیرہ، جب اِس نور محبت سے بیرونی اشیا
کوئی کرن حاصل کرلیتی ہیں تو اُس وقت عین سرور کی شکل میں بدل جاتی ہیں۔
اور ہم اس پریم کے کرشمے روز دیکھا کرتے ہیں، ثابت یہ ہوا کہ پریم آتما کے اندر موجود
ہے۔ لیکن کسی وقت ظاہر اور کسی وقت پوشیدہ رہا کرتا ہے۔

سوال۔ اس کی نہانی اور ظہور کا کیا سبب ہے؟

جواب۔ جس وقت مخالف خیالات کا ظہور ہوتا ہے اس وقت یہ پریم پردہ
میں نہاں ہوجاتا ہے اور جب کوئی موافق حالت سامنے آتی ہے تو اُس وقت

اس کا ظہور ہوتا ہے، ستارے آفتاب کی روشنی میں نظر نہیں آتے ہیں لیکن یہ یقین کامل بنا ہی رہتا ہے کہ آفتاب کی تیز شعاعوں کے اندر بھی ستاروں کی دنیا موجود ہے، ویسے مخالفت کے ظہور پر اس کا نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ لیکن اسکی ہستی اپنی ذات میں عین جوں کی توں ہی رہا کرتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جاوے تو مخالفت ہی پریم کا ثبوت ہے کیونکہ ہم کسی بھی حالت سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ ہمیں کسی سے خاص رغبت ہے، خواہ یہ پریم لاکھوں برس تک پردہ میں رہے یا ایک ایک لمحہ پر اپنا اظہار کرتا رہے اس کی ذات لازوال ہے۔

نتیجہ ۔ پریم ہمارے آتما میں موجود ہے اور ہر وقت ہے، مخالفت اور موافقت کا ظہور ہی اسکی ہستی کا اعلیٰ ثبوت ہے، کیونکہ اگر پریم آتما میں نہ ہوتا ہم ایک سیکنڈ کے لئے بھی زندہ نہ رہ سکتے۔ یعنی ہماری زندگی ہی پریم ہے، ہم پریم سے آئے ہیں پریم ہی میں رہتے ہیں، پریم ہی سے ملنا ہے۔

سوال ۔ آپ تو پریم کو سکھ کا سروپ بتاتے ہیں، لیکن ہماری ورشٹی میں تمام تکالیف کا باعث بھی تو یہ پریم ہی ہے۔ کیونکہ جب ہم کسی ایک چیز سے محبت کرتے ہیں تو اُس کا ہجر ہمارے دل میں ضرور ہوتا ہے اور جس کا ہجر دل میں ہوتا ہے اُس کے ملنے کی خواہش ایک لابدی سا امر ہے، پس چیز جبتک نہ ملی تکلیف رہی

جب مل گئی جدا ہونے کا خیال تنگ کرنے لگا اور جب مل کر چلی گئی تب بھی رونا پڑا۔
اس سے صاف ثابت ہے کہ تمام تکالیف کا باعث محض پریم ہی ہے اور کچھ نہیں

جواب ۔ پریم کو محدود کرنا یا پریم کو کسی محدود شے سے کرنا ہی تو تکلیف ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ ایک لاانتہا ہستی کو مقید کرنا جرم ہی تو ہے اور جب ہم ایسے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں تو لازمی طور پر ہمیں اسکی سزا بھگتنی پڑتی ہے اس لئے پریم کا ہر حال میں ہونا ہی عین راحت ہے۔

ناتھہ — کوئی مفتون یک ذرہ کوئی مسحور یک قطرہ — لیے جاتا ہے دل میرے کو پیمانہ یہ عرفاں کا

خواجہ حافظ — بیا اے شیخ در خمخانۂ ما — شرابے خور کہ در کوثر نباشد

بلبل اپنا تعلق جب پھول سے پیدا کرتی ہے تو خار اُس کے موافق ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے پھول تک تو وہ خوش ہے لیکن جب خار کا ظہور ہوتا ہے تو اُسوقت وہ اُس کو ایک غیر معشوق سمجھتی ہوئی اُس سے پریم نہیں کر سکتی یہی وجہ اُسکی تکلیف کی ہے، اگر کسی طریقہ سے بلبل کی نظر خار میں بھی اُس خوبی کو محسوس کرنے لگے جو کہ گل میں ہے تو اُسکی خوشی کا لاانتہا ہو جانا ایک ضروری امر ہو جاتا ہے۔

موافق تو موافق ہے ہی، لیکن ناموافقت میں موافقت پیدا کرنا ایک خاص ترقی ہے۔

سوال ۔ ناموافق سے پریم کرنے کا کون سا طریقہ ہے، ہم تکلیف سے کیسے پریم کر سکتے ہیں ۔؟

جواب سب سے پہلے قابل غور یہ بات ہے کہ پریم کا پرکاش بیرونی صورت پر آتا ہیں کب ہوتا ہے یا پریم کیا چیز ہے

گر حسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا ۔۔۔ بُلبل گُل تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا ۔۔۔ بقول شخصے

پریم کیا چیز ہے ؟ Perception of beauty

اگر یہ اصول درست ہے تو پھر جبتک ہماری نظر پابند تعینات ہوکر موافق اور غیر موافق کے جھگڑے میں پڑی رہے گی کبھی راحت کا ظہور ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اندھیرا پہلو ہمیشہ تکلیف کا باعث بنتا رہے گا۔ اس لئے ؎

اے اسیرِ دامِ کثرت بشنو از من یک سخن ۔۔۔ این نمودِ موجہائے گوناگوں جز آب نیست ۔۔۔ ناتھہ

دُنیا کی حقیقت

آب اپنی شان میں محو ہے، اُس کا سینہ نقش و نگار سے مطلق صاف ہے، غیریت مفقود ہے بلکہ وحدت کا لفظ بھی غائب ہے، حباب ہے نہ لہر گرداب ہے نہ روانی، حرکت ہے نہ سکون نشیب ہے نہ فراز پھر کیا ہے؟ ایک عجیب چیز اپنی حالت میں آپ ہی موجود ہے

بقول شخصے　اے لو! مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی　　وحدت کا برقعہ پھٹ گیا ساری ستر گئی

اب وحدت کا اظہار ہونے لگا کیونکہ کثرت نے مُنہ دکھایا، ایک کب کہا جبکہ دو ظاہر ہو گئے، اس سے پہلے کیا تھا؟ اس کا جواب صرف خاموشی ہی ہو سکتی ہے اور کچھ نہیں، لیکن تھا کچھ ضرور، اگر کچھ نہ ہوتا تو اس کثرت کا وجود بھی ناممکنات سے ہو جاتا، کوئی بھی معلول بغیر علت کے قائم نہیں ہو سکتا ہے، کوزہ کی تعمیر سے پہلے مٹی کا ہونا لازمی ہے، حباب سے پہلے آب کا ہونا ضروری ہے، اِسی طرح اس کثرت سے پہلے کسی کامل ہستی کا ہونا ضروری ہے ورنہ جیسے پانی کے نہ ہونے پر بُلبُلہ کا ظہور ناممکنات سے ہے ویسے ہی اُس حقیقت کے نہ ہونے پر

یہ تمام سلسلہ نیستی سے بڑھ کر اور کچھ نہ ہوتا، ٹھیک ہم اُس حقیقت بے چون و چرا کو محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں نہ علم ہے نہ عقل، نہ ہوش نہ حواس، اس لئے اُس حالت میں وہ کیا ہے اِس کا علم محض اُسی کو ہو سکتا ہے اس کا اظہار وہاں ہو سکتا ہے جس جگہ کہ اپنی ذات سے بے خبری ہو، کیونکہ ہمارے حواس خمسہ اور دل عقل وغیرہ ہمیں بیرونی دنیا کی طرف ہی مخاطب کرتے ہیں اور اِن سے سوائے تعینات کے اور کچھ نظر نہیں آتا، ہم اِن سے ایک دھوکے میں آجاتے ہیں جس سے اصلیت کا اظہار پردہ میں ہی رہ جاتا ہے واقعی ہے

تو بدیں چشم کجا چہرۂ معنی بینی ؛ چشم صُورت دگر و چشم معانی دگر است — مغربی صاحب

سوال۔ پیدائش عالم سے پہلے اگر ہم کسی بھی ہستی کو نہ مانیں تو کیا نقص پیدا ہوگا؟

جواب۔ ظہور عالم ناممکنات سے ہوگا۔

سوال۔ اگر پیدائش عالم سے پہلے ایک مادہ ہی فرض کیا جاوے تو کیا نقصان ہے؟

جواب۔ مادہ غیر ذی روح ہے یعنی جڑ ہے۔ جڑ میں تخیل، علم یعنی سنکلپ اور گیان ہو سکتی نہیں ہے، پس اسقدر باقاعدگی کا ظہور کیسے ممکن ہو گا، دوئم، جو دو ذرّے

بے جان ہوں گے اُن کو آپس میں ملنے کا خیال ہی نہیں ہو سکتا، اگر کشش مانیں تو بھی باہمی کسی خارجی سلسلے کے لئے تیاری بغیر کسی کلی علم کے محالات سے ہو جاوے گی اور یہاں پر تو نظام عالم ایک خاص سلسلہ کو دکھا رہا ہے، آفتاب وقت پر ظاہر ہوتا ہے اور وقت پر غروب ہو جاتا ہے، رات چونکہ آرام کے لئے ہے اس لئے اُس میں آفتاب کی تیز روشنی نہیں ہے تاکہ لوگ آرام سے سو سکیں، رات کا لیمپ ماہتاب اور کچھ خوبصورت ستارے ہیں جو کہ آدمی کی نیند میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ جسم کی ترکیب کچھ ایسی وضع پر ہے جس سے صاف کسی بیدار ہستی کا اقرار کرنا پڑتا ہے، اِدھر آنکھ ہے اُدھر اسکی مدد کے لئے آفتاب ہے، کان ہیں، آواز ہے، زبان ہے ذائقہ ہے، قوتِ لامسہ ہے۔ پس گرم، نرم، سرد چیزیں بھی ہیں، بھوک ہے کھانے کو ہے، پیاس ہے پانی ہے حتیٰ کہ جبقدر ضروریات جسم میں ہیں اُن کا علاج بیرونی دُنیا میں موجود ہے دیکھئے ایک چھوٹا سا نکتہ ہے جس کے چھوٹا ہونے سے حقیقت کا پردہ ہی اُٹھ جاتا ہے کیونکہ چھوٹی چیز کسی بڑی چیز کو ڈھانپ نہیں سکتی ہے، اگر اصلیت کا یقین حاصل کرنے کی خواہش ہو تو ہر وقت چھوٹے چھوٹے واقعات پر نظر رکھنے سے اُس کا یقین حاصل ہونے لگتا ہے، زیادہ دور اندیشی ہمیں عموماً تاریکی میں پھینک دیا کرتی ہے یہ ہی خلا جو کہ آنکھوں کے سامنے بے رنگ ہے وہی دُور سے نیلی نظر آنے لگتی ہے،

یہ دوراندیشی ہے، پانی کو دور سے دیکھئے تو نیلا نظر آتا ہے لیکن ہاتھ پر اُٹھانے سے
وہی سفید ہوجاتا ہے، لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ خدا کی ہستی کا اقرار کرنا بہت ہی
مشکل ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر اقرار مشکل ہے تو انکار کون سا سہل ہے، اقرار کے
لئے جسقدر دقّت ہے انکار کے لئے اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، کیونکہ عالم میں ہر دو رنگ
موجود ہیں، ایک اگر ناسکتا کا اظہار کرتا ہے تو دوسرا آسکتا کا ظہور کرتا ہے اِس لئے

ع ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا بقول شخصے

اب غور کیجئے بچّہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو اس وقت اُس کو
بھوک معلوم ہوتی ہے وہ اس چھٹپن مین ہر علم سے ناواقف ہوتا ہے، وہ اناج وغیرہ
بالکل نہیں کھا سکتا، خویش واقارب سے بالکل لاتعلق ہے، اُس کو بھوک ہے یہ قدرت
کاملہ کا ایک پہلو ہے جو کہ بچہ کے نشو و نما کے لئے ایک خاص ذریعہ ہے، وہ بیجان ذرّے
یا یہ بے جان مادہ اِس تمام ترکیب سے کیسے واقف ہوسکتا ہے، اُس نے کان کی جگہ
آنکھ اور آنکھ کی جگہ پر کان کیوں نہیں لگا دیئے، زبان کی جگہ پر سر اور سر کی جگہ پر زبان
کیوں نہیں لگائی وغیرہ وغیرہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر باقاعدہ اور معنی
سے لبریز ترکیب کسی عین دانائی سے خالی نہیں ہوسکتی ہے، اِس لئے

World presupposes God.

اب دوسرا پہلو دیکھئے! بچہ اُس وقت چل نہیں سکتا ہے اس لئے اُسکی خوراک اُس کی ماں کے پاس رکھ دی گئی ہے، ماں کا دودھ بچوں کی غذا ہے اور وہ اُسوقت پر کسی دوسری چیز کو کھا بھی نہیں سکتا ہے، دوئم بچہ اُس وقت ہر علم سے ناواقف ہے لیکن اپنے سامان نشوونما کے علم سے غافل نہیں، اس کو علم ہے کہ ماں کے تھنوں سے دودھ کس طرح پیا جاتا ہے، کتنی باقاعدگی ہے، کس قدر درست نظام ہے کیا یہ چھوٹی سی دلیل ہمیں کسی بے جان اور بے ہوش ہستی کی طرف مخاطب کرتی ہے یا کہ کسی "عین علم" کا یقین دلاتی ہے، زیادہ تر دلائل ہمیں ناستکتا کی طرف مخاطب کردیتے ہیں، کیونکہ زیادہ علم زیادہ شکوک پیدا کرتا ہے اور جسقدر شکوک بڑھتے ہیں۔ اعتقاد قلب سے دور ہوتا جاتا ہے، اعتقاد کی کمی بے تاب و تواں ہوتا ہے اور عدم طاقت موت ہے پس شک موت سے کچھ زیادہ ہے کیونکہ موت ہر شک سے جُدا کرتی ہے اور شک موت کو لاتا ہے، کسی نے کسی اندھے سے پوچھا تھا کہ کھیر کھاؤ گے؟ اُس نے جواب میں کہا کہ "کھیر کیسی ہوتی ہے جواب میں کہا کہ سُفید" پھر سوال کیا کہ سفیدی کیسی ہوتی ہے تو پھر جواب میں کہا کہ جیسے بگلا ہوتا ہے۔ اندھے نے پھر سوال کیا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے، اب وہ حیران ہوگیا کہ یہ کیسے کا سلسلہ بند ہی نہیں ہوتا ہے اور ہو بھی کیسے جبکہ اس کے پاس وہ اوزار معدوم ہے،

جس سے کہ رنگ دیکھا جا سکتا ہے، اب وہ خاموش ہو گیا اور ہاتھ کو ٹیڑھا کر کے کہنے لگا کہ اِس کو چھو کر دیکھو بگلا ایسا ہوتا ہے، اب اندھا ہاتھ کو چھوتے ہی غصہ ہو کر کہنے لگا کہ "اجی واہ! آپ نے تو مجھے مارنے کی ٹھانی ہے، میں تو ایسی کھیر ہرگز نہ کھاؤں گا، یہ تو اسقدر فربہ ہے کہ میرے گلے میں ہی اٹک جائے گی۔

اب غور کیجئے کھیر کہاں اور یہ فربہی کہاں، یہ حال دلائل کا ہے جب کہ اُس "عجیب ہستی"، کا یقین ان دلائل سے پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُس کی نسبت کچھ کا کچھ سوچ بیٹھتے ہیں اور اپنے مقصود سے جدا ہو جاتے ہیں،

چوں یقیں آمد رہا کن قصۂ شک و گماں　　چوں عیاں بنمود رُخ دیگر ز بُرہاں دم مزن
علم بے دیناں گزار و جہلِ را حکمت مخواں　　از خیالات و فسونِ اہلِ یوناں دم مزن
چونکہ با او بر نیاری بودن از وصلش مگو　　چونکہ بے او ہم نمی باشی ز ہجرانش دم مزن　مغربی صفا

اس لئے اگر اُسکی ہستی کا یقین چاہیئے تو دل کو مختلف خیالات سے پاک کر کے انتشار اور اضطراب کو ایک طرف پھینکتے ہوئے ایک سکون آمیز نظر اس کائنات کی طرف پھینکو اور پھر دیکھو کہ ہر ایک ذرہ میں سے کیا آواز آ رہی ہے۔

ز فرش تا بفلک ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست　بقول شخصے

"The Glory is in every sphere

And all things whisper "God is here"."

غور فرمائیے! ہماری نظر جس طرف کو بھی جاتی ہے سوائے دنیا کے اور کچھ نہیں دیکھتی کثرت، کثرت، وحدت گم، کہیں آفتاب، کہیں ماہتاب، کہیں ابر، کہیں برق، کہیں گل، کہیں گلستاں کہسار دریا، بحر صحرا وغیرہ وغیرہ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا اور یہ سب کچھ ایک کثرت ہے یعنی جُدائی کا ہی اظہار ہو رہا ہے۔ گویا

جُدائی جُدائی جُدائی ہوئی　　　　خُدائی کا نام و نشاں نہ رہا

جُدائی کا نقطہ کس طرف ہے نیچے کی طرف اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گری ہوئی نظر کا نام جُدائی یا کثرت Variety وغیرہ ہے، غور فرمائیے ہر سوال کا جواب اُس سوال کے بیچ میں ہی ہوا کرتا ہے۔ تین اور تین کتنے ہوتے ہیں؟ چھ، لیکن یہ چھ کہاں سے آئے سوال کے اندر سے یا باہر سے تو کہنا پڑتا ہے کہ سوال کے اندر ہی موجود تھے اگر نہ ہوتے کبھی بھی ظاہر نہ ہوتے، ہم جسقدر سوال میں محو ہوتے ہیں اُسقدر وہ سوال جواب کی صورت میں بدلنے لگتا ہے یعنی سوال ہی So all ہو جاتا ہے یا All کی صورت میں بدل جاتا ہے۔ اب یہ دُنیا ایک سوال ہے ہمیں اس میں جواب کو ڈھونڈھنا ہے، سوال یہ ہے "دُنیا کیا ہے" اگر ہم اس سوال کو ترک کر بھی دیتے ہیں اور اپنے کھیل کود میں محو ہو جاتے ہیں تو ہم اُس بچہ کی طرح پیٹے جاتے ہیں جو کہ سکول میں اپنے سوالات کی طرف دھیان نہ دیتا ہوا مختلف باتوں میں محو ہو جاتا ہے،

دنیا کیا ہے؟ یہ سوال ہمارے سامنے اُس حقیقت کی طرف سے رکھا گیا ہے، اور ہر ایک شخص کو یہ سوال ضرور حل کرنا ہے، اگر ہم جوانی کے نشہ میں یا دولت کی اُمنگ یا حکومت کے زور کو سامنے رکھتے ہوئے اس سوال کو ترک کر بیٹھتے ہیں تو اُس وقت اُس رحیم یا دیالو کی طرف سے ہمارے سامنے ہماری بہتری کے لئے کوئی خوفناک دل ہلانے والی حالت کا ظہور کیا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹا مر گیا، گھر کو آگ لگی، قرضخواہ تنگ کرنے لگے، بیماری کا ظہور ہونے لگا، مختلف مصائب نے آن گھیرا، اِدھر ڈاکٹر صاحب سرہانے کی طرف کھڑے ہیں، اُدھر خویش و اقارب میں ماتم ہو رہا ہے، اِدھر جان بہ لاانتہا تکلیف ہے، دلبستگی، دلخستگی کی صورت میں بدل رہی ہے، اِتنے میں وہ بھُولا ہوا سوال پھر سامنے آجاتا ہے کہ "یہ دُنیا کیا چیز ہے"؟

بقول شخصے
ہر شاخ پر ہے باغ میں صیّاد کی نگاہ　　مطلب یہ ہے کہیں نہ مرا آشیاں رہے

تمام خوفناک حالات کا ظہور محض انسان کو جگانے کے لئے ہے اور کچھ نہیں۔

اب پھر سوال سامنے ہے کہ دنیا کیا ہے"، ہر ایک شخص مختلف حالات میں بیٹھکر اس سوال کو اپنے لئے حل کرنے لگتا ہے، کوئی کسی طریقہ سے اِس کا جواب نکالتا ہے اور کوئی کسی طریقہ سے، لیکن جواب سب کا ایک ہی رنگ میں نکلتا ہے۔ مگر بعض اشخاص جو کہ اس سوال کو حل کرتے کرتے اختتام تک نہ پہونچتے ہوئے درمیان ہی

میں کوئی فیصلہ چند رقموں کو جمع یا تفریق کرنے سے دے بیٹھتے ہیں وہ کسی حد تک درست ہوتے ہیں، کیونکہ سوال کے ایک حصہ کے جواب میں وہ بھی درست ہیں لیکن آخری جواب کیا ہے؟ وہ مختلف طریقوں سے نکالا ہوا ایک ہی منزل کا منہ دکھائیگا

۱۔سوال۔ دُنیا کیا ہے؟ محض جوانی، تندرستی اور بہترین حالات کے نشہ میں نکالا ہوا جواب یہ ہے۔ دنیا ایک حقیقت ہے اس کے بغیر کوئی اور حقیقت ہے ہی نہیں، یہی ہماری زندگی کا آغاز اور انجام ہے Eat, drink & be merry

بقول شخصے اگر فردوس برروے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

۲۔سوال۔ دُنیا کیا ہے؟ بیماری، کمزوری، ناداری، موت وغیرہ کی عینک سے دیکھا گیا، دنیا ایک خوفناک چیز ہے، اس کی ظاہری صورت خوشنما ہے، لیکن اس کے پردہ میں سانپ کی طرح زہر موجود ہے، تمام تکالیف کا باعث اسی کا تعلق ہے، اس لئے ترکِ عالم ایک لازمی سا امر ہے۔

اگر حرمان برروئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

۳۔سوال۔ دُنیا کیا ہے؟ حقیقت کی عینک سے دیکھا گیا۔ دُنیا کی شکل جُدائی کی ہے۔ اس کی ہر ایک چیز غیریت سے لبریز ہے، یہ شراب تلچھٹ کی ہے، اس گُل کے ساتھ لاانتہا خار موجود ہیں، کہیں دوست ہیں کہیں دشمن، کہیں خویش و اقارب کی الفت

کہیں غیر و غیریت کا ہنگامہ، جس طرف نظر جاتی ہے سوائے غیریت اور کثرت کے کچھ نہیں دکھیتی، لیکن اس جدائی کے پردہ میں حقیقت کا انکشاف کچھ عجب انداز سے ہو رہا ہے یعنی 0 صفر Blackhoard کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے اور Blackhoard سیاہ تختہ اُس کو بھی قائم کرتا ہوا اُسی سے چھپتا ہوا اُسی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ غور کیجیے 0 Zero جس کو کہ اپنا ظہور لوگوں پر کرنا ہے اُسکا طریقہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ کسی Black-board پر اپنا فرضی خاکہ بنائے۔ اب (0) بندو پر اپنی نیستی کا اقرار کرتا ہے اور اس اقرار میں اُس کا فرضی خاکہ اُسی سیاہ تختہ کے ظہور سے قائم ہو جاتا ہے' اب یہ بندو (0) سیاہ تختہ پر ظاہر ہو کر اُسی کو چھپانے لگتا ہے کیونکہ نیستی کے اقرار کے لئے بھی فرضی صورت اختیار کرنی پڑتی ہے لیکن تماشہ یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ فرض حقیقت پر غالب آ جاتا ہے اور نظر اِس کی گولائی اور سفیدی پر اسقدر محو ہو جاتی ہے کہ Blackboard یعنی سیاہ تختہ کا خیال تک بھی نہیں رہتا، اسی (0) بندو کے پیٹ میں مختلف اشکال کا ظہور ہونے لگتا ہے، کہیں نصف قطر اور کہیں مرکز اور کہیں مد و جزر کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے' کیا تماشہ ہے فرض حقیقت پر غالب آ رہا ہے لیکن اس تمام سلسلہ میں سیاہ تختہ اپنی ذات میں اسقدر کامل اور پختہ ہے کہ لاانتہا برسوں تک اس Zero کا کھیل اُسکی شان میں کچھ فرق

لانہیں سکتا۔ اب خواہ صفر اپنی لاانتہا پیٹ کی دنیا کو لیکر اس کے سہارے کھیلتا رہے یا ابھی کوئی Duster سے صاف کر ڈالے اسکی شان کبریائی میں کوئی فرق ہی نہیں آسکتا لیکن کھیل میں کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے صفر تختہ پر غالب ہے، حباب آب پر غالب ہے، کوزہ مٹی کو چھپائے ہے، انگشتری سونے کو کھا چکی ہے، مارِ موہومہ رسن کو نگل گیا ہے دُنیا حق کو باطل کر چکی ہے لیکن ؎

بقول شخصے
برچشمۂ خور سحاب تاکے
برچہرۂ تو نقاب تاکے

آفتاب کی تیز شعاعوں سے بادل پیدا ہوکر اُسی کو چھپا لیتے ہیں اور پھر اُسی کی روشنی سے باطل ہو جاتے ہیں ؎

نیاز صاحب
اپنا ہی کچھ تصرف اوہام ہے کہ ہم
چہرہ پہ حق کے پاتے ہیں پردہ نقاب کا

لاکھوں سال تک موج کی چادر میں آب نہاں رہے، لاانتہا برسوں تک بادل کے پردہ میں آفتاب پوشیدہ رہے، عالم بے انتہا وقت تک ذات پاک کو پردہ میں چھپائے رکھے لیکن "حقیقت" ہر تغیر سے پاک ہے اُسکی شان ہر توہم سے بالا تر ہے۔

چادر سے موج کی نہ چھپے چہرہ آب کا
برقعہ حباب کا نہ ہو برقعہ ہے آب کا

نیاز صاحب،
اپنا ہی کچھ تصرّف اوہام ہے کہ ہم
چہرہ پہ حق کے پاتے ہیں پردہ نقاب کا

غور فرمائیے Blackboard Zero یعنی صفر سیاہ تختہ پر کیا چیز ہے؟

ایک اِنکار اور کچھ نہیں (ہستی) کے علاوہ قدرتی انکار ہی Zero ہے، لیکن اس نہیں کا موہومی اظہار اُسی حقیقت مطلق کی تجلّی سے کہیں حقیقت پر غالب آجاتا ہے ؎

بفروغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زند رہِ دل　　چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد　　خواجہ حافظ

چہرہ کی روشنی سے زلفیں بَرِسرِ کار ہیں۔

اب قابلِ غور یہ بات ہے کہ حباب میں کون سی چیز آب پر غالب آکر ہمیں آب سے غافل کر دیتی ہے، محض اسم وصورت اور کچھ نہیں، اسم وصورت کا اظہار کس میں ہے آب میں قیام کس پر ہے، آب پر فنا کس میں ہے آب میں، اب حباب کا تعلق آب سے کون سا ہے یعنی اسم وصورت کا تعلق آب سے کیا ہے؟ رنگ کی طرح کپڑے پر موجود ہے، اگر ایسا ہوتا تو کسی صورت میں پانی سے علیحدہ کر کے بھی دیکھا جا سکتا، دوئم حباب آب کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جیسے کہ دودھ دہی کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے، یا تخم درخت کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے، مگر ایسا ہوتا تو آب کا وجود حباب میں گم ہوتا، پس اس تعلق میں نہ تو کسی غیر کا تداخل ہی ممکن ہے اور نہ "تغیّر" کا وجود ہی قائم ہوتا ہے، پس حباب کا آب سے کون سا تعلق ہے؟ حباب آب سے ایک ہے یا دو، عین ہے یا غیر، ہے بھی یا کہ نہیں،

جواب۔ اگر ایک کہیں تو حباب کا اظہار ناممکن ہے اور اگر دو کہیں تو جُدا کہیں

دیکھا نہیں جاتا، اگر عین کہیں تو سلسلہ غیر ممکن ہے اور اگر غیر کہیں تو موجود نہیں ہوتا،
پس کیا ہے ؟ ایک تماشہ !

آب میں حباب ایک نام، ایک تعیّن ہے جس کو محض دیکھ سکیں اور کچھ کہہ نہ سکیں،
یہ حباب کا تعین کیسا لاتعین ہے کہ گفتگو میں مقید نہیں ہوتا ہے، نہیں اور پھر موجود
ہے، پکڑے سے پکڑا نہیں جاتا، نزدیک ہے لیکن چلنے سے برسوں میں ہاتھ نہیں آتا
ہے، گویا ایک حیرت ہے ایک تماشہ ہے، طلسم ہے، جادوگری ہے، عقل بھی اسی کے
سلسلہ کی ایک چیز ہے اور وہ بھی اپنی بناوٹ میں حیران ہے، پس حباب کا آب سے
کون سا تعلق ہے ؟ اس کا جواب صرف اتنا ہی ہے ۔ ناہتہ

آب میں ڈھونڈے سے ہرگز بلبلہ ملتا نہیں اور گر ملتا بھی ہے تو وہ جُدا ملتا نہیں

آب میں دیکھیں تو حباب گم ہے یعنی کبھی ہوا ہی نہیں جو ہے ہی نہیں، اُس کا
تعلق کیا معنی رکھتا ہے، اور اگر آب کو بھول کر دیکھیں تو بھی تعلق ناجائز ہے، کیونکہ تعلق
ہمیشہ دو میں ہوا کرتا ہے اور یہاں ایک کی نظر سے دوسرا گم ہے پس یہاں تو تعلق ہی
لاتعلق ہو رہا ہے، لیکن اگر کوئی نظر حباب اور آب کو اکٹھا دیکھ بھی سکتی ہے تو وہ خود ہی
سمجھ لے کہ کیا تعلق آب اور حباب کا ہو سکتا ہے، ایک طرف تو یہ احساس لازمی ہے ۔
کہ آب ہی آب ہے اور کچھ ہے نہیں، اور دوسری طرف حباب کا ظہور آب میں اپنی فنا کو

دکھا رہا ہے، اگر پھر بھی کچھ ہے تو سے

جُز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور　　جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے　　مرزا غالب

حباب ایک تخیل ہے جو کہ پانی میں ظاہر ہو رہا ہے، ایک صورت ہے جو کہ ہونے پر بھی نہیں، ایک اقرار ہے جو کہ انکار سے کم نہیں، ایک وجود ہے جو کہ عدم سے کم نہیں، ایک ہستی ہے جو کہ نیست ہے، ایک تماشہ ہے جو کہ کبھی ہوا ہی نہیں ایک رنگ ہے جس کا وجود ناممکن ہے، ایک نام ہے جو کہ گمنام ہے، یا دوسرے الفاظ میں آب ہی آب ہے اور کچھ ہے نہیں، خیر اگر یہ تمام تماشہ ہے بھی تو کیا ہے ؟

نمایاں ہو نہیں سکتی حقیقت میں کبھی دوئی　　ظہورِ صورتِ عالم شعاع ہے نورِ وحدت کی　　ناہتہ

آب کے ہونے میں جُنبش بلبلے کی کچھ نہیں　　یہ نمودی ہے تماشہ حرکتِ موج ہوا　　ناہتہ

اگر یہ تمام سلسلہ کچھ معنی رکھتا ہے تو کیا ہے۔ ایک جُنبش سے زیادہ اور کچھ نہیں، ذات پاک کی مستی کی ایک لہر ہے، آنند کا جوش کسی نہ کسی وقت لغزش کا باعث بن ہی جاتا ہے۔

مستی کا کروٹ ہے، نشہ کی لہر ہے، اور ہو ہی کیا سکتا ہے، ادھر جنبش ختم ہوئی اُدھر سلسلہ ختم ہو گیا، ادھر ہوا، خواہش، اچھیا، تمنا، اگیان، مایا گم ہوئے اُدھر حباب اپنے تعین کو بھی اُڑاتا ہوا آب سے ایک ہو کر کچھ دیر تک ایک کا ظہور

کرنے کے بعد ایک اَور دوسے اوپر ہوگیا مضمون کو لمبا نہ کرتے ہوئے۔
دُنیا کیا ہے؟ اسکی طرف مخاطب ہوتے ہیں، اس کا جواب سرسری
کیا ہے

جُدائی جُدائی جُدائی ہوئی خُدائی کا نام ونشاں نہ رہا

لیکن یہ جواب پستی کی طرف مائل ہونے سے ہے، یعنی نقطہ کے نیچے کی جانب
اُترنے سے ہے، اے پیارے پستی میں بیٹھ کر آسمان کی بلندی میں حقیقی رنگ
کو دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے، وہاں وہ چیز ظاہر ہوگی جو کہ ہے نہیں، وہاں وہ شیامتا
نیلاہٹ ہے جو کہ کبھی دائرہ عدم کی گود سے باہر نہیں آئی، پستی سے آفتاب کی
طرف دیکھنا اُس میں اُس تاریکی کا ظہور کرنا ہے جو کہ اُسمیں کبھی ہوتی ہی نہیں،

نیاز صاحب آنکھیں جو موند لیں تو دوپہر میں رات ہے اِس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

پیارے آتما! ذرا پستی سے بلندی کیطرف مائل ہو، یعنی رذالت سے شرافت
کی طرف آ، خار سے گُل کی جانب بڑھ، حباب سے آب میں آ، شعاعوں سے
آفتاب کی طرف چل، کوزہ سے مٹی کو دیکھ، جُدائی سے اوپر بڑھ اور پھر اپنی آنکھ
کو اُسکی طرف مخاطب کرکے دیکھ کہ اصلی جگہ سے اصلی جواب کیا ملتا ہے؟ آئینے کو
زمین پر رکھکر آسمان کو اپنے پاؤں کے تلے دیکھنا تمسخر نہیں تو اور کیا ہے، کیلاش کی

چوٹیوں پر بھگوان شنکر مل سکتے ہیں، شہر کی گلکاریاں ترک کرنے سے ہی پیارے کرشن کی جھانکی بنسری لئے سامنے آسکتی ہے،

حضرت شمس تبریز صاحب

تا چند تو پس روی بہ پیش آ | سوے کفر مرو بسوے کیش آ
درنیش تو نوش بیں بہ پیش آ | آخر تو باصل اصل خویش آ

پستی سے آنکھ کا نقطہ جو کہ جدائی کو پیدا کر رہا ہے اس کو اٹھا لے اور اصلیت کی طرف بلندی پر آ کر اسکی حقیقت کو دیکھ تو نقطہ کا ظہور لازمی طور پر جدائی کے اوپر ہوگا جسکے معنیٰ پھر یہ ہونگے کہ

جدائی خدائی ہوئی، | جدائی کا نام و نشاں نہ رہا

ناتھہ

اک نظر کا ہے بدلنا اور اس جا کچھ نہیں | درمیان موج و قطرہ غیر دریا کچھ نہیں

سوال۔ یہاں پر تو جدائی کے لفظ کا نقطہ اوپر رکھکر خدائی کا اظہار کیا گیا ہے نہ کہ اصلیت ہی اس صورت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ غور فرمائیے مشکل کتاب کی فرہنگ بھی نیچے دے دی گئی ہے، دنیا کی جانب اور اس کے ہر حصہ کی جانب غور سے دیکھئے تو کیا نظر آتا ہے (ہستی) کے سیاہ تختہ پر مختلف صورتیں صفر کو ظاہر کر رہی ہیں، وہ کیسے؟ دیکھئے!

آفتاب گول، ماہتاب گول، ستارگاں گول، زمین گول، آسمان گول، لائن کا

پہلا اور آخری حصّہ گول، بلکہ لائن کیا چیز ہے مختلف یا بیشمار نقطوں کا مجموعہ دائرہ بڑھ کر پھر Zero ہو جاتا ہے اُس کے پیٹ میں جو نصف قطر اپنی اصلیتؔ اور لمبائی چوڑائی وغیرہ دکھا رہے ہیں وہ بھی Zero کے پیٹ سے باہر نہیں، پس جسکا وجود صفر ہے اُس کے پیٹ کے اجزا کیسے ہست ہو سکتے ہیں ۔ تمام کائنات گولائی کو ظاہر کر رہی ہے جو کہ صفر کی صورت ہے اور اِس "کچھ نہ ہونے" میں بھی اس قدر ہستی کا ہنگامہ ہے کہ بغیر اس ہست کے اور کچھ نظر آ ہی نہیں سکتا، ہر ایک چیز کھڑکی ہے جس میں سے کہ پیارا اپنا چہرہ دکھا رہا ہے ؎

مغربیؒ صنا
یارِ ما ہر ساعتے آید بہ بازارے دگر		کسوتِ دیگر بپوشد بہرِ اظہارِ دگر
برلبِ جوئے جہاں باسازو برگِ تازۂ		ہر زماں آید خراماں یارِ خوش رفتارِ ما

تمام عالم ایک ساغر ہے جس میں وہ مے بھری ہوئی ہے ۔ اِس آئینے میں اُسکا عکس نمایاں ہو رہا ہے، عالم کا دریدہ پیرہن پیارے کا پورا مُنہ نہیں چھپا سکتا، اس حجاب میں عین بے حجابی ہے، اس پردہ میں بے پردگی ہے ؎

عین پردہ میں یہاں بے پردگی ہوتی ہے کیا ؟
ناتھہ
رازِ قدرت آپ ہی اپنے دکھا جاتی ہے کیا ؟

نیچر نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کتاب عالم یا سوال عالم سے

مشکل الفاظ سمجھ میں نہ آسکیں تو وہ کتاب کے آخر میں اُن کا جواب دیکھ لے، یعنی عالم اپنی حیثیت اس ذات مطلق کے ساتھ ایک کھڑکی کی رکھتا ہے جو کہ مختلف شیشوں سے بھری ہوئی ہے، کسی میں شکل کچھ اور کسی میں کچھ نظر آرہی ہے، سوامی رام جی مہاراج فرماتے ہیں Even error has some foundation in truth

کسی بھی ذرہ کو اُٹھائیے وہ فوراً اپنی نیستی کا اقرار کرنے لگتا ہے اور اس انکار میں فوراً ہی پیارا سامنے آجاتا ہے، لیکن ہم تو اس انکار کو نہ سمجھتے ہوئے ہی اُس ذرہ کو جمع کی شکل میں لاکر Triangle مختلف اسماء و اشکال کی جانب مائل ہوجاتے ہیں اور پیارا ہنس دیتا ہے کہ اس قدر ظاہر ہونے پر بھی میرا پردہ قائم ہی رہ جاتا ہے -

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار ‏ ‏ اور پردہ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں ‏ ‏ بقول شخصے
آپ میں اُس کو جو پایا جستجو کیسی رہی ‏ ‏ نافہ جو اپنے میں ہے صحرا میں بو کیسی رہی
جبکہ سب میں ذات مطلق تجھ میں تو کیسی رہی ‏ ‏ یہ سمجھ کر بھی وہ پہلی تجھ میں خو کیسی رہی

دیکھ باطن میں ذرا گردن جھکا کر یار تو ‏ ‏ ناآہتہ
جام ہے بادہ ہے اور میخانہ اسرار تو

پناہ بلندی و پستی توئی ‏ ‏ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی ‏ ‏ بقول شخصے

مغربی جھنا کہ جزاو نیست درسرائے وجود بہ حقیقت دگر کسے موجود

کسی بے جان چیز کو عالم کی علت ماننا بعید از قیاس و یقین معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو چیز اپنے سے ہی بے خبر ہے اُس میں کسی چیز کو ترکیب دینے کی طاقت کہاں سے آسکتی ہے، دویم جو چیز جس میں ہو وہ ہی اُس کے اندر سے نکل سکتی ہے، جب کہ Matter کے یعنی مادہ کے اندر گیان شکتی Intelligence ہے ہی نہیں تو پھر اُس کے اندر سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔

ہم دنیا کی کسی بھی خوبصورت بنی ہوئی چیز کو دیکھتے ہی اُس کے ترتیب دینے والے کا خیال کرنے لگتے ہیں اور دل ہی دل میں اس کے حسن لیاقت کا خاکہ کھینچا کرتے ہیں جو کہ چیز کی اصلیت کو سمجھ کر چیز کے ظاہر کرنے والے کی طاقت اور قدرت کا نقشہ ہوا کرتا ہے ویسے تصویر عالم کے دیکھنے سے کسی بیجان ہستی کا خیال ممکن معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کا ہر حصہ جس قدر کہ اُس کو چھپا رہا ہے اُسی قدر اُس کو ظاہر بھی کر رہا ہے جیسے کہ آفتاب کی تیزی نور جسقدر کہ اُس کو چھپاتی ہے اُتنا ہی اُس کو ظاہر بھی کیا کرتی ہے، عالم اگرچہ اپنے ظہور میں ایک پردہ ہے لیکن اپنی حقیقت میں عین انکشاف کا ذریعہ ہے اور حقیقت بھی کیسی ہے، آفتاب جبتک کہ پردہ میں ہوتا ہے ظاہر ہوتا ہے اور جب بے پردہ ہوا فوراً چھپ گیا، وہ کیسے؟ زیر پردۂ ابر آفتاب کا ظہور ایک لازمی امر ہے، آنکھ اُس کو

دیکھ لیتی ہے، لیکن اس نقاب کے اُٹھاتے ہی وہ اپنی عریانی کے ایک ایسے پردہ میں آجاتا ہے جسکی وجہ سے اسکی طرف دیکھنا محال ہوجاتا ہے -

بے ابر مشکل ست نظارۂ آفتاب   صائب نظارۂ او درنقاب کن

عالم کو ظاہر کرکے اگرچہ وہ حقیقت چھپ گئی ہے جو کہ دیکھنے سے نظر نہیں آتی اور پکڑے سے پکڑی نہیں جاتی، جس طرف جاتے ہیں سوائے مادّیت کے اور کچھ ہے ہی نہیں لیکن اس کے لیئے ہر خاص وعام کے دل میں اس تلاش کا ہونا بھی کیا اُس کی عریانی کا ایک بڑا حصہ نہیں ہے ورنہ تلاش کیوں اور کس سے ہے، عالم کے پردہ سے اِسی تصویر سے اُس مصور کے لیئے عشق ظاہر ہورہا ہے، خوب تماشہ ہے' ایک ہی چیز پردہ اور عریانی کا باعث ہورہی ہے' یہ اُس کا اشارہ ہے کہ

مرا رنگ پردۂ موج میں نہ چھپا چھپائے سے بھی کبھی   ناتھہ
میں سراپا ہستی آب ہوں نہ فراق ہے نہ وصال ہے '

مزا ہستی کا لیتا ہے گل و بُلبل جُدا بنکر   ظہور صورت باقی کو وہ آیا فنا بنکر   ناتھہ

اس نمودی پردہ سے فراق کا وجود قائم ہوجاتا ہے اور اسی کے بعد حاصل کا وصل ہوتا ہے' ؎

ایکہ عمرے درپئے او میدویدم سُو بسُو   ناگہانش یافتم با دِل نشستہ رُوبرُو   مغربیؔ جعفا

اگر کوئی ذی روح چیز نہیں ہے تو آفتاب کی گولائی اور باقاعدہ گرمی اور ستاروں کی خوردی اور دھیمی سی چمک، رات کی سیاہی، ہوا کی روانی اور آب کی ٹھنڈک، گُل میں خوشبو، بُلبُل میں نالہ، لیلیٰ میں حُسن، مجنوں میں عشق، دُنیا میں ایک پوشیدہ حقیقت اور قلب انسان میں تلاش کی تڑپ کا باعث کون ہے۔

گر حُسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا ‌ ‌ ‌ بُلبُل گُل تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا

عالم کی لاانتہا ہستی کسی ہستی مطلق کا ثبوت ہے اسکی ترکیب کسی پورن گیان یعنی علم مطلق کا اظہار ہے اور اِس کھیل کا ہونا ہی سرور کے اظہار کے لئے ہے اسلئے اسکی ہستی کسی لاانتہا ہستی علم سرور کا ثبوت ہے، پس ؎

نیاز جہنا ‌ ‌ عین ہستی خود توئی بس از تو چوں منکر شویم ‌ ‌ ‌ حجتِ ہستی تست این ہستیِ انکار ما

اب معترض کس سے اِنکار کرتا ہے عین ہستی سے تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے جبکہ اُس کا انکار ہی خود ہستی کا ثبوت ہے، دوئم اگر وہ علم سے اِنکار کرتا ہے تو اُس کے اِنکار ہی میں اِسکا جواب موجود ہے، کیونکہ انکار بھی تو علم ہی کی ایک صورت ہے، سوئم اگر وہ سرور، یعنی آنند یا پرمانند سے انکار کرتا ہے تو اسکا جواب اُس کے جذبات کی دُنیا میں موجود ہے کیونکہ اس کی یہ حرکت اور کوشش ہی سرور کی جانب مخاطب ہے۔ پس اُس سے انکار کرنا کیسا؟ جس کے بغیر انکار بھی ناممکن ہے

اور اُس کے اقرار کے لئے کوشش کیوں جو کہ ہر اقرار دل عقل خیالات کا شاہد ہے اور
اُن سے پہلے موجود ہے جو کہ ان سب کو قائم کرتا ہے

ع اے غنی ذات تو از اقرار و از انکار ما ؂ نیاز صاحب

ماکیانیم از خودی در حضرت دم برزنیم اے کم از کم روبرویت ایں ہمہ بسیار ما نیاز صاحب

آنکھ مچولی Hide and seek کھیلتے کھیلتے جب بچے ایک دوسرے کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں تو اُن کا ڈھونڈھنا مشکل ہو جاتا ہے تو پھر ایسی طاقت کی رونمائی کوئی معمولی بات تو ہے نہیں، اور طرفہ یہ کہ ساتھ رہ کر غائب ہے، دوری کو دخل نہیں اور پھر دور ہے، یہ حیرت انگیز تماشہ ہے۔ اُس کو ڈھونڈھنے کا سہل طریقہ کون سا ہے، کسی جنگل یا شہر کے کسی بھی ذرہ کو اُٹھا لو، تنہائی میں آنکھیں کھول کر اُسکی طرف دیکھو، آپ کے ہاتھ میں ایک پھول ہے، اب دیکھو کہ صانع اُسمیں کہاں ہے، آپ کی نظر اِس تلاش میں دوڑی اور جھٹ پردوں پر پردے سامنے آنے لگے، کبھی رنگ نے آ پکڑا اور کبھی خوشبو دامنگیر ہوئی، کبھی نزاکت سامنے آئی، کبھی صورت نے دام بچھایا حتیٰ کہ آپ اِس سلسلہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

عشق الٰہی گورکھ دھندا اِسکے کھولے پیچ کوئی کیا ظفر
ایک کھلا تو دوسرا محکم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

لیکن ان تمام پردوں سے پردہ پوشی بھلا کب ممکن ہے، آفتاب تو ابر کے پردہ سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے ذرا غور کیا حیرت سے یقین کی جانب قدم رکھا پیارے کی شعاع پردوں کے سوراخوں سے نکل کر دل میں آگئی اور کسی کی یاد نے سینہ میں آگ لگادی، او پھول کے پردہ میں رہنے والے تو کہاں ہے، اس کی تمام خوبصورتی کسی کی خوبی کا پیغام یا سرمایۂ یاد ہے، اگر حواس خمسہ اُس حقیقت تک نہیں پہونچ سکتے تو ذرا دل کی آنکھ کو کھول کر اُسکی طرف دیکھو کہ کیا وہی پیارا اُس کے اندر ہنس رہا ہے یا کہ نہیں

آذر صنا — تو زکجا گرفتۂ اے گل شوخ رنگ و بُو — گر بہ چمن نہ دیدۂ یار چمن طراز را

ضروری ہے اگر آپ اپنی آنکھ مچولی میں اُس حسن لازوال کو نہ پکڑ سکے تو وہ ضرور آپ کو پکڑ لیگا، یہ دل کی آنکھ ہے، دویم یہ پھول کہاں سے آیا مٹی سے، مٹی پانی سے پانی آگ سے، آگ ہوا سے، ہوا خلا سے، خلا مایا سے، یعنی قدرت الٰہی سے، اور مایا یعنی قدرت، برہم یا ذاتِ پاک ہستی علم سرور ست چت آنند سے، بس گُل کیا ہے ذات کی کھڑکی ہے جس میں سے کہ وہ اپنا مُنہ دکھا رہا ہے۔

اگر مادہ کے ذرّوں میں ہی کسی اصول کو پابند کیا جائے تو اُس ترکیب کے لئے بھی دانائی کی ضرورت ہے، کسی بھی انتظام سے پہلے منتظم کا ہونا ضروری ہے، خواہ اُس منتظم کا کوئی بھی نام رکھا جاوے، کائنات کے ذرّوں کو ملانے اور بگاڑنے والی

کوئی ہستی نہیں روح بلکہ عین روح کامل معلوم ہوتی ہے۔

سوال ۔ پیدائش عالم اگر مختلف اجزا سے مانی جاوے تو کیا ہرج ہے۔
یعنی روح مادۂ ذات کو ازلی اور ابدی مانا جاوے تو اس میں کیا نقص ہے۔

جواب ۔ تین انادی یعنی ازلی اور ابدی اشیا کا ماننا، اس صورت کو سامنے
یعنی ہر شے اپنی ہستی میں ایک اور دیگر اشیا سے ملحق اور اپنی ہستی کا

اقرار کرنے والی ہوگی، یعنی (A) ایشور (B) پرکرتی (C) جیو

(A) جبتک شروع ہوکر کسی جگہ پر اپنا سلسلہ ختم نہ کریگا اُسوقت تک (B)
کا آغاز ناممکن ہے اور (B) جبتک کسی ایک جگہ سے شروع ہوکر کسی دوسری
جگہ پر ختم نہ ہولیگی تب تک (C) کا آغاز ناممکن ہے، اس لئے ہر سہ چیزوں
میں محدودیت ایک لازمی امر ہو جاوے گی، اور محدودیت مرکب ہوگی، اور
مرکب فنا کے دائرہ سے خالی نہ ہوگی پس

مغربی

جزِ او نیست در سرائے وجود — بہ حقیقت دگر کسے موجود

لیکن ہمارا مضمون تو پریم کا ہے، اِس لئے کسی بھی عقیدے سے کوئی خاص
علاحدگی نہیں، کوئی کسی بھی راستہ سے اُس پیارے تک آپہونچے۔
اُس ہستی مطلق سے ظہور عالم ہوا، یعنی وہ وحدت کثرت میں پھیل گئی۔

سوال - ایک سے انیک کیسے ہو گئے، ہستی مطلق سے تعینات کا ظہور کیسے ہوا، ہستی سے نیستی، علم میں جہل، سرور میں غم کہاں سے آگیا -

جواب - یہ ایک ایسا سوال ہے جو کہ ہر عقل اور دل کو حیران کر رہا ہے اس کے لئے

بقول شخصے
نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اُسکی بنا کی

ایک سے اینک کیسے ہو گئے ، مطلق سے تعینات کا ظہور کیسے ہوا ،

Perfection میں Imperfection کہاں سے آگئی، شدھ برہم سے اس قدر وزنی دنیا کا اظہار کیسے ہوگیا، اُس کے اندر ایسا تخیل کیوں پیدا ہوا، اُس کا مدعا دنیا کی پیدائش سے کیا تھا، یہ ہی سوال ہیں جو ہمارے وقت کو لیجاتے ہیں اور حقیقی گرہ کشائی کے لئے ہمارے پاس کوئی وقت نہیں رہ جاتا ہے، کیا ہم آنکھ سے اُس روز دیکھنا شروع کرینگے جبکہ اِس بات سے آگاہی ہو لیگی کہ آنکھ میں دیکھنے کی طاقت کہاں سے آئی ہے کان میں سننے کی طاقت کہاں سے آئی، تخم میں بارور ہونے کی طاقت کہاں سے ہے، ہوا میں لہرانا کیوں ہے، اور آب میں روانی کا باعث کون سا ہے، جھولی میں کہیں سے سانپ آپڑا ہے، اب اُس کی ذاتوں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے یا کہ اُس کو دور پھینکنے

سے مطلب ہے۔

جان عزیز قابل سوز و گداز نیست ۔۔۔ ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست ۔۔۔ صائب

آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ ۔۔۔ دَم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ ۔۔۔ ڈاکٹر اقبال

یہ کیسے آئی، کہاں سے آئی، کیونکر آئی، اس سے کیا مطلب۔ ہمیں تو اُس سُرورِ مطلق سے غرض ہے جس کے بغیر تمام بیکلی ہے، جسکے نہ ہونے پر سلسلہ بے ترتیب سا ہو رہا ہے ؎

طائرِ گلشن قدسم چہ دہم شرحِ فراق ۔۔۔ کہ دریں دام گہِ حادثہ چوں اُفتادم ۔۔۔ خواجہ حافظ

دوسرے اُس کمال میں یہ نامکمل دُنیا کہاں سے آگئی وغیرہ وغیرہ، آپ کا سوال صرف یہ ہے کہ (کامل) میں دُنیا کہاں سے آگئی، شدہ برہم یعنی ذات پاک میں عالم کہاں سے آگیا، یا دوسرے لفظوں میں "اُس میں مایا کہاں سے آگئی"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہاں، یعنی دیش یا Space مایا سے باہر ہے، اگر اس کے جواب میں کہا جاوے کہ فلاں جگہ سے آئی تو کیا یہی سوال پھر اُس کے لئے موجود نہ ہوگا کب آئی یہ وقت Time کو ثابت کرتا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ Time مایا سے باہر کوئی چیز ہے جو کہ اپنا اثر مایا اور برہم پر بھی

کر رہا ہے لیکن وہی سوال پھر وقت کے لئے بھی پیدا ہو جاتا ہے، پھر وقت کے لئے دوسرے دیش اور کال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، سلسلہ معلول و علت کہاں سے آیا، یعنی مایا کیونکر آ گئی، اگر کہا جاوے کہ اُس طرح آ گئی تو سوال پھر اُس کے پیچھے ہو لیگا کہ وہ کہاں سے آیا جس سے انوستھا دوش یعنی تسلسل قائم ہوگا اور سوال پھر اُسی جگہ پر رہ جاوے گا ۔

اور اگر اس سوال کو حل کئے بغیر بیتابی دور نہیں ہوتی ہے تو اسکا اعلیٰ ترین یہ ہی جواب معلوم ہوتا ہے کہ جس میں سوال ہے اُسی کے پاس چلیں یہ سوال کہ کامل میں نامکمل حالت کہاں سے آئی، برہم میں مایا کہاں سے آئی، فلاں جگہ میں فلاں چیز کہاں سے آئی ہے ؟

اِس کا جواب صرف اِتنا ہے کہ آپ کس میں کسکی آمد پوچھتے ہیں، یعنی آپ برہم میں مایا کی آمد یعنی ذات پاک میں ظہور عالم کا باعث پوچھتے ہیں، یا یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر عالم اُس کے ارادہ کے ماتحت ہے تو اُس نے اِسکو کیوں پیدا کیا اور بغیر ارادہ کے ہے تو اُس میں کہاں سے آگیا۔ غور کیجئے فلاں چیز میں فلاں شے کیسے آئی ۔ اِس کا جواب ہمیں کس مقام پر مل سکتا ہے، فلاں آدمی فلاں جگہ سے کیسے پھسل گیا فلاں آدمی کی آنکھوں کے یرقان سے چیزیں کیسے زرد نظر آنے لگیں، ان تمام سوالات کا

جواب ہمیں محض اُسی حالت میں مل سکتا ہے جہاں پر کہ ان واقعات کا ظہور ہوا ہے اس لئے برہم میں مایا کہاں سے آئی، ذات پاک میں ظہور عالم کیسے ہوا، اس کے تسلی بخش جواب کے لئے ہمیں پہلے برہم یعنی ذات پاک تک پہونچنا چاہیئے اور پھر اُس موقعہ پر پہونچ کر ممکن ہے ہم اس امر سے آگاہی حاصل کرسکیں کہ انہیں ظہور عالم کیسے ہوا؟ لیکن اگر یہ سوال کیا جاوے کہ جو اشخاص وہاں پر پہلے پہونچ چکے ہیں وہ ہی ہمیں کیوں نہیں بتا دیتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہونچے ہوئے اشخاص کامل سے تعلق پیدا کر چکے ہیں یا اُس مشاہدۂ ذات میں اپنا آپ کھو بیٹھے ہیں، وہ آپ کو اُس امر سے کیسے آگاہ کریں۔

اور دوسرے سوال یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس وقت Perfection یعنی شدھ چیتن میں ظہور عالم ہوا اُس وقت دنیش کال دستو علم، عقل، فکر زبان حروف نہ تھے اور وہ ذات بھی ان تمام حالات سے اوپر تھی اور اس کی اچھیا بھی زبان دل عقل وغیرہ سے اوپر تھی اس لئے ؎

بقول شخصے کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیئے دل کے جانے کی خبر عاقل کی کیا جانے بلا

دیوار قہقہہ کا نظارہ تو دیوار قہقہہ پر ہی کھڑا ہونے سے ہو سکتا ہے اور کسی طرح نہیں، اگر اس کے جواب کی نہایت ضرورت ہے تو ان اوزاروں کو ترک کرتے ہوئے

ہمیں بھی اُس حیرت خیز مقام پر پہونچنا چاہیئے۔ پھر فیصلہ ہو سکیگا کہ یہ تمام کثرت وحدت میں کہاں سے آگئی، یہ سب کچھ اُس کے ارادہ میں تھا اُسی سے ظاہر ہو گیا، اِس کا علم اُسی کو ہے یا اُن کو ہے جو کہ اس کو بیان نہیں کر سکتے، ہم کھانڈ کی لذت کو محض کھانے سے ہی سمجھ سکتے ہیں،

اُس سے ظہورِ عالم ہُوا، ہمارا سوال اور جواب کی خواہش ہمارے اندر ظہورِ تعیّنات کو قائم کرتی ہے، پابند تعینات لاتعیّن کے معنی سے کب آگاہ ہو سکتا ہے۔

اگر یک سرِ مُوے برتر پَرم   فروغِ تجلّی بسوزد پَرم ؎

آتما میں آگیان کیسے آیا؟ یہ سوال جسم عقل کے ہوش کو ثابت کرتا ہے، اور جس میں سوال ہے وہ بالکل ہی غائب ہے، اِس لئے پہلے اس تعیّن جسم کا ترک لازمی ہے پھر عقل سے بھی نکلنا ہے پس جب ہم ہوش عقل و حواس کے اوپر ہوے تو ایک برہم ہی برہم ہے جو کہ گیان سروپ پورن پرکاش عین آنند ہے، رسن میں مارِ موہومہ کا ظہور ہوا، جبتک رسن کا علم نہیں ہے اُسوقت تک مارِ موہومہ ایک بذات خود اصلیت ہے، لیکن جسوقت رسن کی حقیقت سے آشنائی ہوئی مار کبھی تھا ہی نہیں، رسن کی نظر سے سانپ کبھی ہوا ہی نہیں، اور مار کی نظر سے رسن گم ہے۔

Blackboard پر Zero موجود ہے جو کہ ہر وقت اپنے نہ ہونیکو

دکھا رہا ہے، اتفاقیہ "ا" ایک نے اُسکی طرف دیکھا اور وحدت سے کثرت کا قائل ہو گیا لیکن یہ تمام کثرت کس میں ہو سکتی ہے Zero میں یا (ا) ایک میں Zero میں تو کثرت ناممکن ہی ہے اور وحدت یعنی (ایک) دو کا قائل ہی نہیں، پس کثرت کا تعلق ایک سے محض دکھاوے کے لئے ہے، حقیقت جوں کی توں منزہ از تغیّر ہر وقت ہی موجود ہے۔

یہ تعینات کہاں سے آئے؟ یہ سوال ناجائز ہے، کیوں کہاں وغیرہ خود تعین ہے۔

عینیت سے غیریت کیسے ہوئی؟ جواب عین اور غین میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اور نقطہ خود عین کے ماتھے پر غیر کو قائم نہیں کر رہا ہے بلکہ عینیت کے ساتھ اپنی ہستی سے انکار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ

پناہِ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی

اور ایک بات دیکھنے میں یہ آتی ہے کہ جسقدر ہم باطن کی طرف مخاطب ہوتے ہیں اُسی قدر کثرت باطل ہوتی جاتی ہے یعنی قُربِ حقیقت فنائے عالم کے لیئے ایک دلیل ہے، نظر جب آنکھ میں اُتر آئے اور آنکھ دل میں محو ہو جاوے تو دنیا کے رنگ رنگ غائب ہو جاتی ہے، اب دِل بھی اگر ایک قدم آتما کی طرف چل دے تو

کائنات کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔

نقشہا را جملہ در آتش بسوز　　بعد ازاں شمع وصالش بر فروز

چوں نماند نقشہا اندر میاں　　آں زماں نقاش را بینی عیاں

شمس تبریز　ایدل زجاں گذر کن تا جان جاں بہ بینی　　بگذار ایں جہاں را تا آں جہاں بہ بینی

یعنی جب آتما کی روشنی میں دُنیا کو دیکھا جاتا ہے تو یہ فوراً ہی غائب ہو جاتی ہے

یا اپنے محل میں گُم ہو کر عین محل ہو جاتی ہے

درحقیقت نیست ممکن ایں جہان و آنجہاں　　چوں تغیر نیست ممکن درحقیقت را زواں

ناتھ　گر بپرسی چیست دُنیا در نگاہ فکر من　　فکر تو ایں عالم ست و یا سوال تو عیاں

حقیقی شے وہ ہوتی ہے جو کہ پُورے مکاں زماں کو لیکر اپنی ہستی کا اظہار کرے اور جو بغیر مکاں زماں کے ہی ظاہر ہو رہی ہو اُس کا باطل ہونا ایک لازمی امر ہو جاتا ہے، مثلاً عالم خواب کی دُنیا بغیر دیش کال کے ظاہر ہوتی ہے اس لیئے اُس میں حقیقت کا رنگ نہیں، وہاں کا پہاڑ اپنے پورے مکاں میں نہیں ہے، وہاں کا بوڑھا پُوری عمر کا نہیں ہے بلکہ شان خیال میں ایک ظہور ہے اور کچھ نہیں۔

لیکن یہاں تو اور ہی تماشہ رونما ہو رہا ہے، یعنی ذات پاک کی تعریف کیا ہے؟

ہستی علم سرور، ست چت آنند، لاتغیر، لاتعین، لایزال، کامل،
اب دیکھنا یہ ہے کہ لامحدود کے معنی کیا ہوسکتے ہیں، لامحدود کے لفظی معنی
یہ ہیں یعنی کسی حد میں نہیں ہے۔

اگر برہم قید مکاں میں ہوتا تو لازمی ہے کہ وہ کسی جگہ نہ بھی ہوتا اور جہاں
وہ نہ ہوتا وہاں پر کوئی اور ہوتا پس وہ اس کو اپنے سے جُدا اور یہ اُسکو اپنے سے
علیٰحدہ کرتا اور نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں مجسم ہوکر محدود ہو جاتے، ایک چیز دوسری
چیز کو محض اُسوقت میں اپنے سے جُدا کر سکتی ہے جبکہ پہلے وہ اپنے وجود کو کسی
خاص صورت میں باندھ لے اور کسی خاص صورت میں بندھنا کسی ایک شکل کو
پیدا کرنا ہے اور شکل مقیّد اور محدود اوستھا کا نام ہے، اب یا تو وہ گول ہو یا لمبی ہو
یا کسی اور صورت والی ہو اور یہ تمام حالتیں کسی مرکب صورت کو ثابت کرتی ہیں
جس کے معنٰی یہ ہوسکیں گے کہ وہ شے کسی خاص وقت پر خاص اشیا کے مجموعہ سے
قائم ہوئی ہے اِس سے پہلے وہ شکل نیست تھی، پس یہ اصول مسلمہ ہے کہ جو شے اپنی
پیدائش سے پہلے نیست ہو وہ فنا کے بعد بھی نہیں رہا کرتی۔ برہم چونکہ نتیجۃً لاتغیر
ہے اس لئے قید مکان سے پاک ہے، جبکہ قید مکان سے پاک ہے اس لئے لامحدود
ہے۔ دوئم جو چیز مکان میں مقید نہیں وہ وقت میں بھی مقید نہیں ہوسکتی، کیونکہ

جس چیز کا آغاز اور انجام ہی نہیں اور لا محدود ہے اُس کا وجود کب اور کس سے آسکتا ہے، لا محدود محدود سے تو آہی نہیں سکتا اور لا محدود دو ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ دو لا محدود ہمیشہ دو محدود بن جاتے ہیں اور تیسری قسم کی کوئی چیز محدود نہیں جس سے کہ وہ آسکے، اس لئے وہ زمانہ کی قید سے بھی مبرّا ہے۔

اب رہا سلسلہ علت معلول کا جبکہ اُس کے ساتھ کوئی اور غیر ہے ہی نہیں تو بذات خود "ایک" ہے اور دوم سلسلۂ علت و معلول تو ہمیشہ محدود اشیا میں کام کیا کرتا ہے اور یہاں تو سوائے لا محدود کے اور کچھ ہے ہی نہیں پس کیا ثابت ہوا

برہم یعنی ذات پاک۔ قید مکان، زمانہ اور سلسلۂ علت معلول سے منزہ ہے اور وہ لا محدود ہے، اُسکی لا محدودیت عدم غیریت ہے، پس وہ ایک ہے، کامل ہے ہر نقص سے پاک ہے، اُس کے اندر سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں، وہ ہستی علم سرور ہے اور پھر یہ بھی نہیں، وہ ایک ہے لیکن ایک بھی نہیں، وہ کیا ہے ؟ یہ سوال تشبیہ کا محتاج ہے اور وہ ہر غیر سے پاک ہے، لیکن ایک طرف وہ ہے اور نہیں سے پاک ہے۔ اور دوسری جانب وہ "ہے" کو پختہ کرتا ہے، ایک طرف تو وہ غیریت سے پاک ہے اور دوسری جانب تمام غیریت کو قائم کرتا ہے ع نرگن آپ سرگن بھی اوہی کلا دھاَ جن سگلی موہی — سکھ منی صاحب

اُس سے اظہارِ عالم ہوتا ہے، کیسے ؟ اِس کا علم اُسی کو ہو سکتا ہے، لہروں کو جب بحر کا سکون دیکھنا ہو تو اُس کا کیا طریقہ ہے، صرف یہی کہ اپنی بیتابی اور انتشار کو بند کریں، اگر ہم اُس سکون سے حرکت کے متلاشی ہیں یعنی سکون میں حرکت کا سبب کیا ہوا تو ہمیں پہلے اُس سکون کو حاصل کرنا ہوگا یا اپنے اضطراب اور انتشارِ سوال کو بند کرنا ہوگا، یعنی خیالات کے بند ہونے کے بعد وہ سکون ہوگا جس میں کہ اِس سوال کو بھی اپنی تحریک کا ہوش نہ ہوگا۔ گورونانک دیوجی مہاراج نے اِس امر پر کیسی خوبصورت روشنی ڈالی ہے -

آپ ست، کیا سب ست — آپے جانے اپنی مت گت
جسکی سرشٹ سو کرنے ہار — اور نہ بُوجھے کرت بیچار،
کرتے کی مت نہ جانے کیا — نانک جو تِس بھاوے سو ورتیا

رگ وید ۱۰ منڈل ۱۵۹

پیدائش عالم کا گیت

جس کا ترجمہ انگریزی میں سوامی وِویکانند جی مہاراج نے یُوں کیا ہے

Existence was not then, nor ' non-existence '
The world was not, the sky beyond was neither

What covered the mist? Of whom was that?
What was in the depths of darkness thing?

Death was not then, nor immortality,
The night was neither separate from day,
But motionless did that vibrate
Alone with its own glory
Beyond that, nothing did exist.

At first in darkness hidden darkness lay,
Undistinguished as one mass of water,
Then that which lay in void, thus covered
A glory did put forth by Tapah!

First desire rose, the primal seed of mind,
(The sages have seen all this in their hearts)
Sifting existence from non-existence,
Its rays above, below and sideways spread.

Creative then became the glory,
With self-sustaining principle below
And creative energy above.

Who knew the way ? Who there declared
Whence this arose ? Projection whence ?
For after this projection came the gods,
Who therefore knew indeed, came out this whence

This projection whence arose,
Whether held or whether not,
He the ruler in the supreme sky, of this
He, Oh Sharman ? knows or knows not
He perchance.

خواجہ حافظ نے اِس امر پر اس طرح روشنی ڈالی ہے -

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمّہ را

مَوج بہ حیثیت لہر کے ایک محدود شے ہے، اگر وہ سمندر کی لاانتہا ہستی سے آگاہ ہونا چاہتی ہے تو اُس کو لازمی ہے کہ وہ اپنی محدود خودی کو ترک کرے اور

موج سے آب کی طرف چلے،

ناسخ قطرہ میں جلوہ نما ہے آب گویا غیر لا — اور قطرہ کہہ رہا مجھ سے ہیں قطرے بیشمار

سکونِ دل سے سامانِ کشودِ کار پیدا کر — کہ عقدہ خاطرِ گرداب کا آبِ رواں تک ہے

چودھویں رات کا چاند چڑھا ہوا ہے، چاروں طرف اُس کی سر درَوشنی اپنا اثر دکھا رہی ہے اور ہم اِس خوبصورت رات میں اس فکر میں ہیں کہ اس میں یہ داغ کہاں سے آگیا، اس کے گھٹنے اور بڑھنے کا باعث کون سا ہے

ہنومان جی سے کسی نے پوچھا تھا کہ کیا وقت ہے، کہنے لگے "رام سال کون سا ہے؟ کہا رام آپ کیا کہہ رہے ہو؟ رام" میں کیا سُن رہا ہوں؟ رام ٹھیک ہے

خواجہ حافظ چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست — خیال خویش گم شد از ضمیرم

مغربی صاحب دوئی اینجا نمی گنجد بروں شو — کہ یا من باشم اینجا یا تو باشی

من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی — سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی

نزدیکت ایں چنینم دُور آنچناں کہ گفتم — نے تابِ وصل دارم نہ طاقت جُدائی

یہ دلچسپ باتیں منزل مقصود پر پہونچکر آرام سے کی جاسکتی ہیں اسوقت تو ضرورت اُن باتوں کی ہے جو کہ راستہ سے تعلق رکھتی ہیں، راستہ بھی سامنے ہے

منزل بھی موجود ہے۔ پھر یہ سوال کہ وہاں منزل پر یہ بات کیوں ہوئی اور کیوں
ہو رہی ہے، اس کا جواب وہاں پہونچ کر لے لیا جاویگا۔

آہ! ہر ذرہ میں نورِ ذات کا یُوں جوش ہو — اور دِل یہ بے حسی سے اسطرح خاموش ہو
ہو صدائے ہو وحق جاری وبہرہ گوش ہو — اور دل یہ پردۂ غفلت سے پردہ پوش ہو

خُم میں مَے ہو اور پیمانہ پڑا لبریز ہو
آہ! پینے سے دل ناکام کو پرہیز ہو

ہو بہار جلوہ اُمید پھیلی چار سو — اور دل اپنا رہے غفلت سے یوں بیرنگ وبو
ایسی امیدوں میں ناکامی اسے ہو کو بکو — اور رکھا تا ہی رہے یہ تیر ہجراں تند جو

کیا یہ موجوں میں دکھا وا ڈر کیتا ہے مجھے
تو بتا کیا ایسی حالت میں سہارا ہے مجھے

ٹوٹ جائے جسم یہ جو ہے جُدائی کا نشاں — چار ٹکڑوں میں گرے فانوس شمع سگیاں
قطرہ قید جسم سے ہو کر جُدا ہو بیکراں — اور ذرہ تجھ میں مِل جائے اے مہر آسماں

تاکہ دل کو رنج وغم سے ہو جدائی اس طرح
اور دنیا سے مجھے ہو آشنائی اس طرح

اے دل نادان اندک ہستئ شبنم بہ بیں — چُوں گرفتار او شعاع مہر در عالم بہ بیں

ہاں برائے زخمِ خود اے دل تو ایں مرہم بہ بیں　　محو ذاتِ خود بشو در جہانے کم بہ بیں
تا کہ تو فارغ شوی از فکرِ عالم ہوشیار
گرچہ تو باشی بعالم مثلِ دیوانہ اے یار
بے نوا ہو ساز جو آواز سے معمور ہو　　دل میں ہو راز نہاں اور آپ سے مفرور ہو
مے ہو مینا میں پڑی اور ہاتھ سے وہ دور ہو　　کب تلک رنج و الم اے دل ذرا مسرور ہو
دیکھ امواجِ مئے وحدت کو باطن میں ذرا
دیکھ بلبل گل کو تو اپنے نشیمن میں ذرا
بجلیاں سوئی پڑی ہوں وسعتِ گردوں میں یوں　　اور امواجِ سمندر اس طرح پر سرنگوں
نکہتِ خوابیدہ غنچہ میں ہو مسحورِ فسوں　　آہ! دل پر پردۂ غفلت پڑا ہو یار یوں
ہو کے محوِ حیرتِ دل آئینہ سا بن گیا
کیا لہوں میں کس طرح کا یہ تماشہ بن گیا
آہ! لیجائے اُٹھا کر ذرۂ ناچیز سا　　نہ ہلے اُس کو ہلائے گریۂ عالم برملا
کیوں ہو غفلت سے تجھے صحرا نوردی غافلا　　کر دے غفلت کو فنا تو اُس میں ہے درِ بقا
قطرہ کو لازم ہے بحرِ بیکراں پیدا کرے
اور ذرّہ آپ میں سارا جہاں پیدا کرے

آپ میں اُس کو جو پایا جستجو کیسی رہی　　نافہ جو اپنے میں ہے صحرا میں بو کیسی رہی
جبکہ سب میں ذات مطلق تجھ میں تو کیسی رہی　　یہ سمجھ کر بھی وہ پہلی تجھ میں خو کیسی رہی

دیکھ باطن میں ذرا گردن جھکا کر یار تو
جام ہے بادہ ہے اور میخانۂ اسرار تو

جبکہ سورج ہو عیاں تو پھر ستارے کسطرح　　جبکہ بحر بیکراں ہو تو کنارے کسطرح
جبکہ مطلق میں فنا ہو تو سہارے کسطرح　　جبکہ صرف اک عشق ہو تو پھر شرارے کسطرح

می نگنجد اندرونِ ذات مطلق ایں جہاں
عین وحدت عین وحدت من بگویم بیگماں

دیکھ! دل میں تیرے پنہاں درّ یکتا کون سا　　کنج تنہائی میں سمجھا خلوت آرا کون سا
تیری آنکھوں میں ہے پنہاں دیکھ نظارا کون سا　　زیر پردہ ہے جہاں ہو وہ سہارا کون سا

ایں دل و جانم فدائے تو شُد ندائے دلربا
ناتھ
چونکہ مے بینم بزیرِ ہستی عالم ترا!

اور رندِ بادہ خوار! کیا تجھے بھی اِن سوالات کے حل کرنے کے لئے کسی بات کی ضرورت ہے؟ ذرا اپنی فطرت میں اِس کا جواب سُن کہ کیا آواز آ رہی ہے -

از برائے ہستیم آغاز نے انجام نے　　عِلّتِ مسروریِ من بادہ نے و جام نے

گرچہ آمد طائرِ من درمیانِ گلخنے — وز برائے فطرت او دانہ نے و دام نے
اندرونِ نُور جلوہ می نگنجد این جہاں — اندرون جلوۂ من صبح نے و شام نے
چوں ببارد ابرِ ہستی دُرہائی معرفت — چوں میانت ہیچ رازے پختہ نے و خام نے

تا تُھ بہرِ جستجویش از جہانے رُو برآر
چوں کہ مستاں را بہوش ننگ نے و نام نے

خواجہ حافظ دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند — گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

موجودہ حالت میں بیتابی کا ہونا ہی کسی Perfection کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہمیں کیا دُنیا کسی طرح سے آئی ہو، کسی وقت آئی ہو، ہمیں تو اُسکی طرف مخاطب ہونا ہے جس سے یہ سب کچھ ہے

ایک بازیگر کے تماشے کی حقیقت صرف اُسی سے دریافت کی جا سکتی ہے۔ دوسروں پر جو راز کہ بہت باریک اور چھپا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ اُس پر اور اُس کے نزدیکیوں پر کسقدر روشن اور معمولی ہوتا ہے۔ اس لئے اگر اس امر سے آگاہی کی ضرورت ہے تو آؤ ارجن کی طرح اپنا دھنش تیر عقل فکر وغیرہ سب کچھ پھینک کر اُس نور روشن کے آگے گر پڑو فوراً ہی کامیابی آپ کے پاس آجائے گی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی   سراج

جسے دیکھنا ہی محال تھا نہ تھا جس کا نام و نشاں کہیں
سو ہر ایک ذرّے میں عشق نے مجھے اُسکا جلوہ دکھا دیا

وہ جو نقشِ پا کی طرح رہی تھی نمُود اپنے وُجود کی
سو کشِش سے دامن ناز کی اُسے بھی زمیں سے مٹا دیا

تری ناصحا یہ چناں چنیں کہ ہے خودپسندی کے سب قریں
نہ دکھائی دے گی تجھے کہیں جو کبھی کسی نے سمجھا دیا

سر دتر رام ہی رام ہے، اِس بادۂ ناب کو ذرا پی کر تو دیکھ کیا لُطف سے ہے اِس کا نشہ اگر کہاں، کیوں اور کب کے سوال کو رہنے دے تو کہنا جب سوائے ایک ذات کے اور کچھ ہے ہی نہیں تو پھر غیر کا دل میں ذکر ہی کیا ؟ کون آیا اور کون گیا سے

مستم کن آں چناں کہ ندانم ز بیخودی   در عرصۂ خیال کہ آمد کُدام رفت   خواجہ حافظ

جب قدیم ذات ایک ہے اور عالم حادث ہے تو بھی ایک ہی رہا "حادث" قدیم سے ہے یا قدیم حادث سے، قدیم کا ظہور تو حادث سے ناممکن ہے بس

حادث قدیم سے ہوا جب حادث قدیم سے ہے تو حادث اُسی کی موج ہے
ادھر قدیم لامحدود ہے جس کے ساتھ دوسرا ہے ہی نہیں، پس عدم غیر
وُجود مُطلق کے ساتھ لازم آتا ہے۔ جب غیر کچھ نہیں تھا تو ہوگا بھی نہیں اور
ہے بھی نہیں ۔

که جز او نیست در سرائے وجود　　　　به حقیقت دِگر کسے موجود

پہلے آپ، پیچھے آپ، تو درمیان میں بھی سوائے آپ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

بھگت نامدیوجی جو کہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے اُن کی کٹیا کو پیچھے کسی طرح سے آگ لگ گئی، لوگوں نے اُن کی غریبی اور محبت الٰہی کا خیال کرتے ہوئے بڑی ہی جانفشانی کے ساتھ اُن کی کُٹیا کو بچانے کی کوشش کی لیکن تمام محنت بے سود ثابت ہوئی چند کپڑے اور کچھ اسباب جو کہ سخت محنت اور تردّد سے باہر نکالا گیا تھا وہ موجود تھا، اتنے میں نامدیوجی آئے اور انھوں نے پوچھا "آج یہ گلزار کیسی ہے" جس کے جواب میں سب نے کہا کہ یہ گلزار کہاں یہ تو نار ہے، مہاراج ہم نے تو بڑی محنت کی لیکن آپ کی کٹیا نہ بچ سکی، چند کپڑے اور کچھ اسباب بڑی جانفشانی سے باہر نکالا گیا ہے اور وہ آپ کے سامنے موجود ہے، بس پھر کیا تھا ۔ اتنا سُنتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لیئے بیتاب ہو گئے، لرزاں جسم سے گرتے کو ہی تھے

کہ کسی نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مہاراج کیوں؟ آپ اسقدر حیران کیوں ہیں، ہمیں بھی تو کچھ بتائیے۔ وہ ہچکچاتی آواز میں اپنے مدعا کو یوں بیان کرنے لگے، پیارو! آج بڑی مدت کے بعد بھگوان ہمارے گھر میں مہمان آئے اور آپ لوگوں نے اُن پر کسی بھی پریم کا اظہار نہ کیا بلکہ یہ چند کپڑے وغیرہ بھی اُن سے بچا لئے، اتنا کہتے ہی بیخود ہو گئے اور تمام اسباب کو اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگے اور کہنے لگے "یہ سب کچھ تیرا ہی تو ہے تو جسوقت چاہے لے لے ہمیں کیا انکار ہوسکتا ہے، شرمندگی اور حیرانی تو یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی نہیں جس سے آپ کی سیوا کر کے سیوک بننے کا دعوے کرسکوں، سوائے غریبی، عاجزی اور مفلسی کے اور کچھ نہیں۔

اپنی ہستی میں نمایاں جز فنا کچھ بھی نہیں — اس لئے تحفہ برائے دلربا کچھ بھی نہیں

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا — میرا مجھ کو سونپتے کیا لاگے ہے میرا بکیرجی

واقعی ہے

نیست دلگیری ز دنیا بندۂ تسلیم را — آتش نمرود گلزار است ابراہیم را

ہر شے میں کسی ایک ہی حقیقت کے دیکھنے والے اشخاص پر رنج و غم آ ہی کیسے سکتا ہے وہاں تو جو کچھ بھی سامنے آیا اُنھوں نے حقیقت کی شکل میں بدل دیا، مار کو رام ہی دیکھنے لگے، حباب میں سوائے آب کے اور کچھ نہ دیکھا، بس کیا تھا

سب کچھ پھینک کر خالی ہاتھ ہو گئے یا اصلی ہاتھ بھر لئے ۔

ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے اچھے خاصے فقیر ہو بیٹھے ،

لیکن دل کا کھونا کیا دلبر کا پانا نہیں ہے، یہ نقصان ہے یا نفع، یہ زوال ہے یا کمال، یہ رنج ہے یا راحت ،

نابود شدم بود نمی دانم چیست اخگر شدہ ام دُود نمی دانم چیست

سر بصاحب دل دادم و جان دادم و ایماں دادم سود است، دگر سود نمی دانم چیست

واقعی اس راستہ پر اُس کے دھیان میں اپنے کو بھول جانا اور اُس کے حقیقی شعلہ میں گر کر اپنے آپ کو ختم کر دینا یا عین شعلہ ہی ہو جانا اور دل اور جان اور ایمان کو اُس کے آگے چڑھا دینا اس سے بڑھکر اور نفع کیا ہو سکتا ہے جبکی طرف بادشاہ آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیوے اُسکی کیا حالت ہوتی ہے اور جس سے اُسکا سب کچھ لے لے اُس کے ساتھ اُس کا کیا سلوک ہو گا۔ آگے تو وہ شخص اُن چیزوں کو اپنا کہتا تھا اور اب بھگوان اُس کو اور اُس کی چیزوں کو اپنا کہتے ہیں اور اپنے آپ اور اپنی چیزوں کو اُس کا کہتے ہیں ،

دنیا کے آغاز کے تعلق میں ایک مختصر سی بات اور آپ کے آگے رکھی جاتی ہے ۔

ایک پریمی اس شریر کے پاس آکر پرشن کرنے لگے کہ خدا نے دنیا کیوں بنائی، میں نے اُس کے جواب میں دریافت کیا کہ آپ اس سوال کو کس کے آگے رکھ رہے ہیں، خدا کے یا بندہ کے، وہ کہنے لگے کہ جو چیز سامنے دیکھنے میں آرہی ہے وہ بندہ ہی ہے، خدا کیسے ہوسکتا ہے، میں نے کہا کہ بندہ جو کہ محدود ہے وہ ایک لاتعین کے علم اور ارادہ سے کیسے واقف ہوسکتا ہے، ایک لامحدود کا لامحدود علم بھی اُس ہی کے اندر رہ سکتا ہے، مجھے تو اتنا بھی علم نہیں کہ آپ کے آنے کا ارادہ کون سا ہے، اِس لئے بہتر ہے کہ اس سوال کو اُسی کے آگے رکھا جاوے جس پر کہ یہ سوال ہے، وہ کہنے لگے کہ اس میں شک نہیں کہ خدا کا علم محض اُسی کی ذات میں ہے، لیکن آپ سے سوال اس غرض سے کیا گیا ہے کہ آپ اُس کے مقرب ہیں، اس لئے اُنھوں نے آپ پر اس امر کو ضرور روشن کیا ہوگا، میں نے سوال کیا، کیا مالک نے اس سوال کا جواب باقی تمام حالات میں سب پر پوشیدہ کر رکھا ہے، اگر یہی بات ہے تو اُس کے مقرب کی موت آئی ہے جو اس بات کو ظاہر کرے جس کو کہ وہ چھپائے ہے، اِس لئے اِس حالت میں بھی لاچاری ہے، وہ کہنے لگے کہ آپ نے تو ٹال دیا ہے، میں نے دریافت کیا کیا واقعی آپ اِس اَمر سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو اس کا جواب اور طریقہ بہت ہی سہل ہے، آپ اِسی وقت اُس بارگاہ عالی میں حاضر

ہوجائیے اور اُسی حقیقت لازوال کے آگے اپنے سوال کو رکھیئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، اس حیثیت میں آپ مقرب ہوسکتے ہیں اور آپ کے عقیدہ کے موافق مقرب ہیں اُس کے علم کا ظاہر ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، وہ کہنے لگے کہ خداوندکریم و پاک تک پہونچنے کا کون سا طریقہ ہے، میں نے کہا کہ روشنی کے پاس پہونچنے کا طریقہ کیا ہے، تاریکی کا ترک کرنا، طاقت تک رسائی، کمزوری کا ترک کرنا، علم کو لینا، جہل کو چھوڑنا ہے، پس اُس حقیقت تک پہونچنے کا طریقہ محض ترک عالم ہے اور کوئی نہیں، لیکن جبوقت آپ ترک عالم کے بعد وہاں پہونچ کر سوال کریں گے تو دُنیا ہی کہاں ہوگی، وہاں تک پہونچتے تو اپنی ہستی کا علم ہی غائب ہوجاتا ہے پھر دُنیا اور اُس کا آغاز کہاں رہ سکتا ہے۔

لیکن اتنا ضروری ہے کہ وہ لامحدود ہے، اس لئے اُس کے ساتھ عدم غیر ایک لازمی امر ہے۔

دوئی اینجا نمی گنجد بروں شو ‌ ‌ ‌ کہ یا من باشم اینجا یا تو باشی ‌ ‌ ‌ مغربی صاحب

پھر یہ سب کچھ کس سے ہے، کس میں ہے، کس کا ہے، صرف اُسی کا جو کہ "ہے"

جیسے آپ کا تخیل آپ ہی کی ہستی کے ذریعہ مختلف اسما و اشکال کو آپ کے روبرو رکھتا ہوا بھی تمام کثرت میں وحدت کا اقرار کرتا ہے ویسے ہی یہ تمام عالم ‌ ‌ ‌ حسرا

اُسی حقیقت کا ایک تخیل یا موج ہے۔

اُس میں کثرت کہاں سے آئی؟ اِس کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ (کہاں کثرت سے باہر نہیں ہے۔

اُس میں اگیان لاعلمی غفلت کہاں سے آگئی، اِس کا جواب بھی وہی اوپر والا ہے۔

وہ محدود کیسے ہو گیا؟ یہ سوال خود محدودیت تک زندہ ہے اِس کے اوپر نہیں۔

یہ سب کچھ اسی طرح ہے، اُس کی موج ہے، اُسکی لیلا ہے، یا ہستی کی جنبش ہے، اب دو چیزیں سامنے ہیں، ایک تو (وہ) اور ایک (یہ) (وہ) کے معنی غائب یا دور (یہ) کے معنی نزدیک، یعنی وہ حواس، دل عقل وغیرہ کی پرواز سے اوپر ہے اور (یہ) حواس دل عقل وغیرہ کے روبرو ہے پس جب تک "یہ" کی نظر موجود ہے، تمام سلسلہ ایک حقیقت ہے، تعینات ہیں، خویش و اقارب ہیں، عبد و معبود ہے، ترقی اور تنزل ہے، گیان اور اگیان ہے اور (وہ) کی نظر سے سب کچھ غائب ہے، اس لئے جہاں (وہ) ہے وہاں کچھ نہیں اور جہاں (یہ) ہے وہاں تمام نشیب و فراز بھی ساتھ ہے لیکن (یہ) تعبیر

(وہ) کے نہیں، جیسے دانندہ حواس خمسہ دل عقل وغیرہ کے اوپر ہے، ویسے ہی تمام کائنات کا محل بھی اس دل عقل وغیرہ سے اوپر ہے، اس لیے حقیقی معنوں میں 'یہ' اور 'وہ' دونوں ہی غیر محسوس ہیں اور اُن سے سب کچھ نظر آرہا ہے اور (یہ) حقیقی اور (وہ) کے درمیان اُسکی لیلا ہے۔

وہ ایک سے دو ہوا، یعنی وحدت سے کثرت کی طرف آیا، خاموشی سے گفتار کی طرف چلا، خاموش ساز سے دلکش نغمے پیدا کئے، گویا دائرہ کا آغاز ہوگیا نقطہ اپنی حالت سے چل کر اپنے سے ملنے کی کوشش کرتا ہے، تھوڑی سی حرکت کے بعد اُس کو سوائے سفیدی کے کوئی چیز نظر نہیں آتی اور وہ اپنے مقصود کو غائب سمجھتا ہے، لیکن وہ اس حرکت کو ترک نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ تمام حرکت کسی خاص وقت اور خاص جگہ کے لئے بندھی ہوئی ہے، اُس تک پہونچنے سے پہلے سکون ناممکن ہے، یہ حرکت مدتوں منزل کو غائب دیکھتی ہے اور کچھ دیر کے بعد دائرہ کے پورا ہونے کے وقت پر وہ حرکت تُو کو اصلی معنوں میں سامنے دیکھتی ہے، یعنی سرکل کے پورا ہونے کے وقت دونوں نقطے ملا کرتے ہیں، اس قرب میں (تُو) کا اقرار ہوتا ہے، پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد انجام اپنے آغاز سے ایک ہوجاتا ہے اور پھر تمام دائرہ ایک نقطہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے، لیکن ایک سے دو ہونا،

اور دو سے پھر ایک ہونا، یہ ایک کشش ہے، اور کشش پریم ہے۔ پس ؎

کارے بغیر عشق نداریم در جہاں عشق ست کارِ ما و بدیں کار آمدیم جامیؔ

پریم اصلی معنوں میں وحدت کا مُنہ دکھاتا ہے

دُنیا کی حقیقت کیا ہے، یا تو اُس کے ساتھ محض عدم ہے۔ یا اُس کے ساتھ موجود ہے۔

آب میں ڈھونڈھے سے ہرگز بلبلہ ملتا نہیں اور گر ملتا بھی ہے تو وہ جُدا ملتا نہیں ذوقؔ

آب کی ہستی میں جنبش بلبلہ کی کچھ نہیں یہ نمودی ہے تماشہ حرکتِ موج ہوا ذوقؔ

پس دونوں نظروں میں ہمارے سامنے کون ہے؟ وہ ایک جو کہ عین ہست عین علم، عین سرور ہے، وہ اپنی موج کے پردہ سے خود ہی ظاہر ہو رہا ہے وہ عین حسن ہے، عین خوبی ہے، عین راحت ہے،

نتیجہ

اے اسیر دام کثرت بشنو از من یک سخن!
ایں نمودِ موجہائے گوناگوں جز آب نیست ذوقؔ

دنیا کا تعلق اُس کے ساتھ ہے، اور تعلق کون سا ہے، نا قابلِ بیان ہے۔

اب ہمارے سامنے تین صورتیں ہیں، ایک تو عین آب، ایک حباب، اور ایک حباب اور آب ہم "ہے" کو سمجھتے ہیں، کیوں اور کیسے کو نہیں۔
ہمیں دنیا میں کس نظر سے رہنا چاہیئے، اور آرام کا اصلی طریقہ کون سا ہے۔؟
اب ان سوالات پر آگے چل کر غور کیا جاویگا۔

اوم شیم

پریم کے اظہار کا اصلی سبب

گر حُسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا
بُلبُل گُلِ تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا

خوبصورتی	محبّت	سکُون	سرُور
Beauty	Love	Concentration	Happiness

یہ چار اشیا ایسی ہیں جو کہ ہمیشہ اکٹھی رہا کرتی ہیں، اگر کسی کے دل کے سامنے کوئی خوبی کا خیال موجود سے نہیں تو ایسے وقت پر محبت کے ظہور سے ضرور خالی رہے گا یا جس جگہ پر کوئی اعلےٰ چیز موجود نہیں ہے وہاں پر بھی محبت کا نہ ہونا ایک لازمی امر ہے آپ کے سامنے دیا سلائی ہے، پروانہ اُس کے قریب ہی بیٹھا ہے، لیکن شعلہ اپنے وجود میں گُم ہے یعنی خوبی پردہ میں ہے، اور پروانہ کا عشق بھی پردہ میں ہے، ادھر کسی وجہ سے دیا سلائی نے اپنی روشنی کو شمع کے سپرد کیا، اُدھر پروانہ مارے محبت کے بیتاب ہونے لگا اور کچھ لینے کے خیال سے بہت اونچا ہو کر سب کچھ دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

من ایستادہ تا کنمش جاں فدا چو شمع　　او خود گذر بہ من چو نسیم سحر نہ کرد　　(خواجہ حافظ)

اِدھر خوبی کا اظہار ہوا اُدھر عشق جوان ہو گیا، پس عشق کو جوان کرنے کا

کون سا طریقہ ہے، محض خوبی کو سامنے رکھنا، پروانہ شمع تک اُس خوبی کو محسوس کرتا ہے اِس سے آگے نہیں، اس لئے وہ اسکی عدم موجودگی میں نالاں رہتا ہے، بُلبُل خوبی کو محض گُل تک محدود سمجھتی ہے اِس کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھتی، لیکن محبت کا ظہور دونوں میں بیرونی خوبی ہے۔

ہمارے سامنے دُنیا ہے، کسی میں رغبت ہے، کسی سے نفرت ہے۔ کوئی دلکش ہے، کوئی دلگداز ہے، کوئی کھینچتی ہے تو کوئی ہمارے دِل کو پھینکتی ہے، اِس دوئی سے ہماری دنیا خالی نہیں ہے، یا کوئی بھی دل تک پہونچنے والی حالت اِس رنگ سے خالی نہیں ہے، اس لئے ہمارا دل بھی اُلفت، نفرت کی غیریت سے بھرا ہوا ہے اور اِن کا وجود بھی رنج وراحت کا باعث ہے۔

اِدھر تو دنیا غیریت سے خالی نہیں اور دوئم ہر ایک چیز بدلنے والی ہے اور ادھر دل میں سکون غائب اور لطف عدم ہے، چیز کی ضرورت ہے، لیکن اُس کے ملنے کا پتہ نیست ہے۔

تماشہ کچھ عجیب سا ہے، جن اشیا کو بھی ہم خوبی سے بھرا سمجھکر اپنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہی ہمارے لئے خنجر جگر تراش کا کام کرتی ہیں کیونکہ ہم دُنیا سے پریم اسکی ماہیت کو نہ سمجھ کر کر رہے ہیں، تکلیف تو اسکی تکلیف سے بھری ہی ہے

لیکن اسکی راحت بھی تکلیف سے کم دل ہلانے والی نہیں، دیکھئے آپ کے سامنے ایک پھول ہے، اسکی چھوٹی سی ڈنڈی کے ساتھ کانٹے لگے ہوئے ہیں، آپ دل تو کہاں اپنے ہاتھ کو بھی ان کانٹوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ یہ چبھنے والے ہیں درد دینے والے ہیں، لیکن پھول کو ہاتھ تو درکنار دل بھی دے بیٹھتے ہیں، کیا آپ کو علم ہے کہ ڈنڈی کے کانٹوں سے زیادہ زبردست، زیادہ تکلیف دہ کانٹا پھول میں چھپا ہوا ہے جسکی خلش ہاتھوں کو خراب نہیں کرتی بلکہ دل میں زخم پیدا کرتی ہے، آپ حیران ہو کر سوال کریں گے کہ پھول میں کانٹا ناممکن ہے، پھول کے ساتھ کانٹے کا ہونا تو ضروری ہے اور اُس سے ہم بچ ہی جاتے ہیں، یا توڑ کر پھینک دیتے ہیں، لیکن پھول کی نزاکت میں، پھول کی رنگت و بو میں ایسی سخت چیز کا ہونا ناممکن سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، غور کیجیئے آپ اپنا دل کانٹے کو تو دیتے ہی نہیں، صرف اس پھول کو ہی دیتے ہیں، اسکی محدود خوبی آپ کے دل کو کھینچ لیتی ہے اور دلبستگی تک نوبت پہونچتی ہے، ادھر آپ نے اُس کو وہ دل دیا جو کہ ایشور کا تھا جو کہ خداوند پاک کے لیئے تھا، ادھر پھول فوراً ہی مُرجھا گیا یعنی مارے شرمندگی کے پنکھڑی پنکھڑی ہو کر زمین پر لوٹنے لگا، کہ آہ! کسکی چیز کس کو دی جاتی ہے۔
میں تو محض ایک کھڑکی تھا جسکے ذریعہ اس کو اپنا دل اُس شہنشاہ کے آگے رکھنا تھا

یہ تو میرے ہی سر دکر رہا ہے' یہ واقعہ پھول کو نیستی تک پہونچا دیتا ہے یعنی اسکی نیستی سے پھر کسی کی ہستی کا ظہور ہونے لگتا ہے' غور کیجئے کانٹا کہاں نکلا' کانٹے میں کانٹا تو ایک بات ہی تھی لیکن جب دل کا سہارا پھول مرجھا گیا' گر گیا' ہوا کی لہروں سے اُڑ گیا تو دل میں اسکی جدائی کے کانٹے کس خنجر کے زخم سے کم کام کرینگے' یہ دیکھ لیجئے پھول میں کانٹے سامنے نظر آرہے ہیں -

اِس لئے ہماری موجودہ خوبی کا تخیل کسی بدصورتی سے کم نہیں' جہاں پر کہ کانٹے میں کانٹا اور پھول میں بھی کانٹا موجود ہے -

ایسی خوفناک حالت میں اظہار محبت ناممکن ہے' جو کہ اس سلسلہ میں عارضی محبت کی لہریں پیدا ہوتی بھی ہیں وہ کسی نفرت سے کم نہیں' اِس لئے

بیا اے شیخ در خمخانۂ ما — شرابے خور کہ در کوثر نباشد

خواجہ حافظ

جبتک خوبی عارضی ہے محبت بھی عارضی ہے' اور جب تک محبت عارضی ہے سکون بھی دائمی نہیں ہو سکتا' اور جہاں پر سکون محال ہے وہاں لُطف اور سرور کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں -

پس دائمی سرور کے لئے دائمی محبت' دائمی سکون اور دائمی خوبی کی

ضرورت ہے، اِس کے بغیر مکتی وغیرہ محالات سے ہے،

اس وقت ہمارے سامنے کیا ہے؟ دُنیا۔ اور وہ ایسی شکل والی جو کہ قریبًا کسی پہلو میں بھی خوبی نہیں رکھتی ہے، پس ہماری زندگی کی تکالیف کا کیا ٹھکانہ ہے، یہ آپ کے سامنے حباب ہے، ایکؔ آنکھ اس میں محدودیت کو دیکھ رہی ہے، دوسریؔ نظر اِس میں لامحدودیت کو سامنے رکھتی ہے، تیسریؔ نظر اس میں سوائے آب کے اور کچھ نہیں دیکھتی۔

پہلیؔ نظر عین عذاب، دوسریؔ نظر کھیل میں سرور، تیسریؔ نظر عین سرور

جبتک ہم دنیا کو محض اسم وصورت رکھنے والی تاریکی اور روشنی سے بھری ہوئی رنج وراحت کا مجموعہ، تعلقات کی بھرمار، توہمات کا ذخیرہ سمجھ رہے ہیں، تب تک چین کا ملنا مشکل ہے۔

دویم جو اس کے ہر ذرے کے اندر لاانتہا ذات کو جو کہ عین خوبی سرور اور علم ہے مشاہدہ کرتا ہے وہ ہر رنج میں بھی خوش ہے، کیونکہ حباب کی موجودگی، ظہور، فنا، سب پانی سے ہے، اور وہ ایک ہمیشہ رہنے والی چیز ہے جس کا خاتمہ نہیں، اس لیے اُس کا چین ہر حال اور ہر رنگ میں قائم رہتا ہے۔

سویم جو پانی کے علاوہ اور کچھ دیکھتا ہی نہیں ہے، وہ بھی ہر حال سے پاک

مکت یا اسپر گیات سمادھی کے آنند کو حاصل کرتا ہے، لیکن ہمیں ابتدائی حالات میں کن باتوں کو مدنظر رکھنا ہے، ہم اپنے پریم کو کس طریقہ پر وسیع کر سکتے ہیں، ہماری اُس ذات پاک سے کیسے یگانگت حاصل ہو سکتی ہے، ہم ہر وقت آنند کے سمندر میں کیسے غوطہ لگائے رہ سکتے ہیں، یہ باتیں قابلِ غور ہیں -

جبکہ دُنیا کا کارن بیجان مادہ نہیں اور اتفاق بھی نہیں بلکہ عین علم سرور مستی ہے تو یہ بات ایک روشن چیز ہے کہ اُسکی لیلا معمولی اور بغیر لطف کے نہیں ہو سکتی، اب ہم کو اُس ہستی روشن کے ساتھ اپنا کون سا تعلق رکھنا چاہئے اور کس رشتہ سے ہم آنند کی جھلک کو ہمیشہ کے لئے دیکھ سکتے ہیں، اس امر کو روشن کرنے کے لئے مختلف اصول مختلف درشن ہیں، کوئی ہمارا تعلق کسی طریقہ سے قائم کرتا ہے اور کوئی رشتہ کو کسی صورت میں دکھاتا ہے، کون درست ہے اور کون باطل، اس بات کی طرف مخاطب نہ ہوتے ہوئے ہمیں آغاز سے انجام کی طرف چلنا ہے -

وشواش یعنی یقین

جب ہمارا یہ علم کامل ہو جاتا ہے کہ (وہ) ہے، جس کو مختلف مذاہب نے مختلف ناموں سے ظاہر کیا ہے تو ہمارے دل کی حالت ایک عجیب تجلّی سے بھر جاتی ہے جس سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو کہ جانتا ہے، دوسرا نہیں، کھانڈ کے ذائقہ کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے منہ میں کھانڈ ہے۔

طبیبِ نبض‌ها چہ می داند دلِ افسردۂ زاہد ادائے کافرش نشترِ رگِ سجنوں چہ میداند

زبانِ بلبلاں آنانکہ می دانند می دانند کہ زاغِ شومِ دشمن نالۂ موزوں چہ میداند گرامی صاحب

لیکن ایسے مہاتماؤں کے جذبات اور آنند کی جھلکیں اس بات کا ثبوت بنتی ہیں کہ اِن کے اندر کوئی ایسی چیز موجود ہے جو کہ ہمارے اندر نہیں، جیسے ہم کسی کے آنکھوں کے نشہ کو دیکھ کر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرخی اور لطف ہماری آنکھوں میں نہیں ہے، ویسے ہی یقین سے بھرے ہوئے دل کی کیفیت کو ہم اس صورت میں محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے پاس نہیں ہے۔

لیکن اِس یقین کی پانچ صورتیں ہیں، یعنی وہ کی تعریف جو کہ مختلف صورتوں میں کام کرتی ہیں۔ (وہ) کیا ہے عینِ علم

عین ہستی، عین سرور

اِس بات کو پانچ قسم کی عورتوں کی مثال سے روشن کیا جاویگا ۔

اول - پہلی وہ استری (عورت) ہے جو کہ ایک پتی نہیں رکھتی، وہ خود آزاد رہنا چاہتی ہے، وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کسی ایک ہی کو قائم رکھنا نہیں چاہتی، ادھر ضروریات کی بھرمار ہے، اُدھر سامان عدم ہے ایسی حالت میں سوائے اِس کے کہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اُس کو کئی طرف دیکھنا پڑے اور طریقہ ہی کون سا ہے ۔

دوم - وہ جو کہ ایک پتی تو رکھتی ہے لیکن اُس میں پریم اور یقین نہیں رکھتی، اُسکی طاقتوں کو کسی کمزوری سے زیادہ نہیں سمجھتی، وہ برائے نام پتی رکھتی ہے وہ اس رشتۂ ظاہری سے لوگوں پر اپنی صداقت اور پتی برت دھرم اور پارسائی کا سِکّہ جمانا چاہتی ہے، لیکن ہر ضرورت کو پورا کرنے کے وقت کسی اور طرف کو دیکھا کرتی ہے ۔

سویم - وہ جو کہ ایک پتی رکھتی ہے اور اُس میں پریم اور یقین بھی رکھتی ہے، اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کسی اور طرف کو دیکھنا بھی گناہ سمجھتی ہے، لیکن اپنی ضرورت کو ہمیشہ مقدم اور پتی کی مرضی کو ہمیشہ

پیچھے رکھتی ہے، یہ ہر وقت اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپنے خاوند سے لڑا کرتی ہے، اور ہر وقت اُسکی مرضی پر غالب آنیکی کوشش کیا کرتی ہے۔

چہارم وہ جو کہ ایک پتی رکھتی ہے، غیر کی طرف دیکھنا سب سے بڑا گناہ سمجھتی ہے خاوند کی طاقتوں میں اعتقاد بھی رکھتی ہے اور اسکی ہستی میں پریم بھی رکھتی ہے، اس کو اپنی ضروریات کا خیال تو ضرور ہے لیکن ساتھ ساتھ اپنے خاوند کی مرضی پر خوش رہنا بھی ایک ضروری امر سمجھتی ہے، یا خاوند کو خوش رکھنا بھی اپنا ایک اعلیٰ دھرم سمجھتی ہے، یہ اپنی ضروریات کو ایکدفعہ اپنے مالک کے سامنے رکھکر خاموش ہو جاتی ہے، ملنے میں اپنی اور خاوند کی خوشی اور نہ ملنے میں خاوند کی خوشی کو سامنے رکھکر خود بھی خوش ہو جاتی ہے۔

پنجم۔ وہ عورت جو کہ ایک خاوند رکھتی ہے، جس کو خواب میں بھی دوسرے شخص کا تخیل نفع اور نقصان کے لئے نہیں، جو کہ اپنے خاوند کو سب سے زیادہ حسین، عالم، طاقتور، مالدار، ہر آرام کا دینے والا سمجھتی ہے، وہ اپنے خاوند کے اوصاف سے بڑھ کر کوئی دوسرا تخیل بھی قائم نہیں کر سکتی

ہے، وہ اپنے خاوند کی تعریف کو قلم، زبان، دل، عقل فکر کی انتہا اور اس سے بہت بڑھکر سمجھتی ہے، وہ اپنے خاوند کی خوبیوں کا خیال کرکے اُس ہستی کے درشن کیا کرتی ہے جوکہ تحریر سے بہت اوپر ہے، وہ اسکی خوبصورتی پر فریفتہ ہے، وہ پروانے کی طرح ہر وقت اُس شمع پر جلنے کو تیار ہے، بلبل کے مانند اس گل نازک سے علیٰحدہ ہونے کا تخیل قائم نہیں کرسکتی ہے، وہ اس رشتہ میں کہاں تک مسرور ہے، بیان سے اوپر ہے، لیکن ایسی عورت بھی ضروریات سے مبرا نہیں، جسم ہے اُس کے لئے مختلف چیزوں کی ضرورت ہے، وہ بھی ضرور کبھی کبھی اپنی ضروریات کو دیکھتی ہے، اُس کے دل میں کئی دفعہ آتا ہے کہ اپنی ضرورت کو اپنے مالک کے سامنے رکھدے کہ میرے پاس ساڑھی نہیں، فلاں زیور نہیں، کپڑے میلے ہورہے ہیں، فلاں پھل کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن اس تخیل کے پیدا ہوتے ہی وہ کچھ سوچنا شروع کردیتی ہے، کہ میں اپنی ضرورت کو اپنے خاوند کے سامنے رکھنے سے پہلے کم از کم اتنا تو دیکھ لوں کہ اُس کو میری ضرورت کا علم بھی ہے یا کہ نہیں، لیکن یہ بات تو بہت ہی روشن ہے، وہ تو ایسا علم رکھنے والا

ہے کہ گھر کے تمام حالات سے ہر وقت ہی واقف رہتا ہے اور میری ساڑھی کا پھٹنا تو ہر وقت اُس کے آگے ہی ہے، پھر جبکہ وہ دیکھتا ہے تو میں اُس کو کیوں دکھانے کی کوشش کروں، اِس سے ممکن ہے اُس کے دل میں خیال گزر جائے کہ یہ میرے علم میں کمی کو دیکھتی ہے، اس لئے میں ہرگز نہ کہونگی۔

لیکن یہ بھی تو ممکن ہوسکتا ہے کہ اُس کے پاس اِس وقت سامان نہ ہو، اِس لئے وہ دیکھتا ہوا بھی میری ضرورت کو پورا نہ کرسکتا ہو، مگر ایسا خیال تو لاانتہا کفر کو ثابت کرتا ہے، وہ تو بڑا مالدار ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ مجھے ساڑھی لیکر نہیں دیتا، ممکن ہے میری کسی غلطی سے مجھ پر ناراض ہے، جسکی وجہ سے سب کچھ رکھتا ہوا بھی میری ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ لیکن مجھ کو اس میں بھی شک ہے، وہ آج ہی صبح مجھ سے ہنستا ہوا باتیں کررہا تھا، اور جہانتک مجھے یاد ہے میں نے کوئی حکم بھی نہیں ٹالا ہے، وہ دیکھتا بھی ہے، وہ مالدار بھی ہے، مجھ سے پیار بھی کرتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ مجھے ساڑھی لیکر نہیں دیتا، اس میں ضرور کوئی بھید ہوگا، کوئی مصلحت ہوگی، مجھے خواہش کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں،

دوسرے میری تمام آرائش بھی تو اُسی کو خوش کرنے کے لئے ہے کسی غیر کو تو نہیں، اور میری ذاتی خوشی آرائش میں نہیں بلکہ اُس کی خوشی میں ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس کو اِسی صورت میں پسند آتی ہونگی، پس میرا کام تو بغیر آرائش کے ہی پورا ہو رہا ہے پھر مجھ کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، اس لئے وہ کچھ ایسا سمجھ کر خوشی میں لہراتی ہوئی اپنے خاوند کے احکام کو پورا کرنے کی دُھن میں لگ جاتی ہے۔

اِسی طرح پہلے وہ اشخاص ہیں جو کہ دل میں کوئی خاص اعتقاد نہیں رکھتے اور ہر وقت مختلف خیالات کے شکار بنتے رہتے ہیں، ایسے اشخاص کے دلوں میں چین کا ذرہ بھی نہیں ہوتا، وہ ہر وقت حیران ہو کر کبھی اس طرف کبھی اُس طرف کو جھانکتے ہیں اور اطمینان قلب سے کوسوں دُور رہتے ہیں، اُن کے دل میں سکون نہیں ہوتا لیکن اعتقاد کے متعلق ہر اک کا تخیل Conception of God اور ہے، کوئی حقیقت تک رسائی کا کوئی ذریعہ اور کوئی دوسرا مقرر کرتا ہے جس کے دل میں اعتقاد کامل ہے وہاں پر چین ہے، یہ ایک ضروری بات ہے۔

دُویم وہ اشخاص ہیں جو کہ زبان سے اپنے عقیدہ کے موافق بھگوان کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں لیکن بوقت ضرورت بھگوان کو بھُول کر کسی اور طرف کو دیکھا کرتے ہیں، یہ زبان کے آستک اور دل کے ناستک ہوا کرتے ہیں، ایسے اشخاص کا پربھاد

خواہ لوگوں پر کسقدر بھی ہو، لیکن اُن کے اپنے دل کے لئے اُن کے پاس کچھ بھی نہیں ہوا کرتا ہے ع

پیش شیراں دعویٰ شیری مکن چوں رُوبہی

اپنے بچہ کے ساتھ

تو تہی از حق ازانی کز خودی و خود پُری   پر ز حق آندم شوی کز خویشتن گردی تہی   مغربیؔ

ایک ہرن جو کہ کسی صاف شفاف پانی کے کنارے کھڑا ہوا اپنے عکس کیطرف دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنی طاقت اور حُسن کو سمجھتا تھا، وہ اپنے بچہ سے اس صورت میں ہمکلام ہوا "بیٹا! تم کو پتہ ہے میری طاقت کسقدر ہے، میرے سینگ کس قدر زبردست ہیں، ان سے شیر بھی ڈرا کرتا ہے، ان پتلے پتلے پاؤں میں وہ طاقت ہے جو کہ آندھی سے بھی تیز چلنے کی طاقت رکھتی ہے، گویا کہ ہر ایک قسم سے اپنی طاقت کا اظہار کر رہا تھا، بچہ اپنے باپ کی طاقت کو سُن کر حیران ہو رہا تھا کہ کس قدر طاقت کا مالک میرا باپ ہے، اتفاقاً شکاریوں کے کتے نظر آئے، بس پھر کیا تھا ہرن نے اپنے پاؤں اُٹھائے اور ایک طرف کو بھاگا، جس وقت وہ کُتّوں کی رسائی سے بہت دُور نکل گئے تو بچہ نے کہا کہ باپ تمھاری وہ طاقت جس کا تم ابھی ابھی ذکر کر رہے تھے کہاں گئی؟ باپ نے جواب دیا کہ بیٹا وہ

تمام طاقت اُسی وقت تک تھی جبتک کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز نہ آئی تھی (یعنی علم تو ہے لیکن عمل نہیں) یہ اشخاص بھگوان کو سرو تر مانتے ہیں لیکن عمل کے موقعہ پر اپنے آپ کو اِس اصول سے بہت دُور کھینچ لیا کرتے ہیں،

غور کیجئے اگر ہمارے دل میں بھگوان کی ہستی کا پورن یقین ہو تو وہ یقین ہمیں کس صورت تک پہونچا سکتا ہے۔

بھگوان ہمہ دان، سروگیہ سرو ویاپک محیط کل ہیں، کوئی ذرہ ایسا نہیں جو کہ اپنی ہستی کو بغیر اُس ہستی لایزال کے قائم رکھ سکے، اگر ہم بھگوان کی سرگیتا اور دیا پکتا پر ہر وقت نظر رکھیں اور اس علم کو اپنے سینہ میں ایک پختہ ترین چیز کی طرح سمجھ کر رکھیں تو بتائیے کہ برائیوں کی بیخ کنی کیسے نہ ہو جاوے گی، ہم ایک معمولی شخصیت کے سامنے بھی کوئی ناجائز حرکت نہیں کر سکتے ہیں، تو پھر ایک پورن شکتی رکھنے والی چیز کے سامنے کسی بُرائی کا ظہور کیسے ناممکنات سے نہ ہوگا، جسوقت ہمارے دماغ کو محض عمدہ عمدہ خیالات اور دلائل کو سوچنے اور سُننے کی عادت ہو جاتی ہے تو اُس وقت ہم ان معمولی باتوں کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے، کیونکہ جس دماغ میں فلاسفی کے بلند مسائل کام کر رہے ہیں، یا منطق کی تیزی بر سر کار رہے، وہاں سرگیتا اور حاضر ناظر کے خیالات کو کہاں تک وقعت مل سکتی ہے

لیکن عملی زندگی کے لئے پہلے کپڑے کا دھونا اور پھر رنگ کا چڑھانا ضروری ہے
جب تک ہم اپنے دلوں کو معمولی ملوثات سے پاک نہ رکھ سکیں ہم اس اصلی رنگ کے
مستحق نہیں بن سکتے

چوں گذارد خشت اول برزمیں معمار کج گر رساند بر فلک باشد ہماں دیوار کج صائب

"He who has not given up the ways of vice, he who is not able to control himself, he whose mind is not at rest, he who is not at peace, within, can never realise the self though full of learning of the world."

اس لئے سب سے پہلے ہمیں اس سیاہی کو اُتارنا ہے، اور اُسکے اُتارنے
کا سہل ترین اور زود اثر طریقہ بھگوان کی ہستی کے لاانتہا اوصاف میں سے اُنکی
موجودگی یعنی ویاپکتا اور سردگیتا کا دھیان کرنا ہے۔

ہمارے اندر دو قسم کی چیزیں موجود ہیں، ایک وہ جو کہ جذبات نفسانی کیطرف
مائل کرتی ہے اور دوسری وہ جو کہ اصلیت اور روحانیت کا خیال دلاتی ہے،
یعنی شہوت، غضب اور تمیز، رجوگن، تموگن، ستوگن، ان تینوں گنوں میں سے

رجوگن اور تموگن کو ہر وقت غذا دیجاتی ہے یعنی ویسے اشخاص سے تعلق، ویسی ہی دُنیا سے دلبستگی وغیرہ وغیرہ، اور ستوگن جس کا کام کہ اصلیت کے چہرہ سے پردہ اُٹھانا ہے اُس کا دھیان تک بھی نہیں آتا، اس پہلوان کو غذا بالکل نہیں ملتی، یا بہت کم دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کُشتی کے وقت پہلے رجوگن اور تموگن کے پہلوان غالب آجاتے ہیں، اور ستوگن دبا رہتا ہے، ہم جس چیز یا شخص کو مضبوط کرنا چاہیں اُس کے لئے دو طریقے ہوا کرتے ہیں، ایک تو غذا کا دینا اور دوسرے ورزش کا ہونا، غذا سے تقویت اور ورزش سے غذا جزوِ بدن ہوتی ہے، اِس لئے جبتک کہ ہمارا زیادہ وقت ست سنگ وغیرہ میں نہ گزرے اور بعد ازاں جبتک ورزش عمل کی نہ ہو طاقت کا آنا مشکل ہے۔

اے دلِ نادان اندک ہستی شبنم بہ بیں — چوں گرفتہ او شعاع مہر در عالم بہ بیں
ناتھ — ہاں برائے زخم خود ایدل تو ایں مرہم بہ بیں — محو ذاتِ خود بشو و برجہانے کم بہ بیں

ایدل بکوے عشق گزارے نمی کنی — سامان جمع داری و کارے نمی کنی
خواجہ حافظ — ایں خون کہ موج می زند اندر جگر چرا — در کار رنگ و بوے نگارے نمی کنی

ہمیں سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی لغزشوں کا خیال کریں اور بھگوان کی سروگیتا یعنی ہمہ دانی اور رویا پکتا یعنی موجودگی کو سامنے رکھ کر

اِن کو دل کی تختی سے بالکل صاف کر دیں، دیکھئے

Evil کو Veil کر کے پڑھیے تو اِس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ

Evil بُرائی ایک بڑا بھاری پردہ ہے، جبتک یہ پردہ نہیں سرکتا ہے

تب تک ہم اس نورلایزال کی نزدیکی حاصل نہیں کر سکتے، خیالی بلند پروازی سے

عمل کی پستی بہترین ہے ؎

حلوا حلوا اگر بگوئی صد سال　　از گفتن حلوا نہ شود شیریں کام

تمام برائیوں کا اختصار یہ تین باتیں ہیں :—

ا۔ کوئی کام جو کہ چھپ کے کیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ کام جس کو کر کے جھوٹ بولنا پڑے۔

۳۔ کسی کا بُرا چاہنا۔

جس کام کو کرتے وقت یہ خیال پیدا ہو کہ کوئی دیکھ نہ لے، اگر کوئی دیکھ لیگا تو کیا کہیگا۔ وہ بُرا ہوتا ہے اور ایسے فعل کے ہونے میں تین نقص پیدا ہو جاتے ہیں اوّل بھگوان کی ہستی سے انکار، دوئم ضمیر کشی، سوئم خلقت سے علیحدگی، پس ایسا فعل روح کو ایک ایسی تنگ حالت میں کر دیتا ہے جس سے چین کا بیرونی پرکاش اُس کے سامنے نہیں رہتا۔

دوئم کسی فعل کو کرکے جھوٹ بولنے میں وہی نقص پیدا ہوتے ہیں، اور اُس میں اُس بات کو لوگوں کے دلوں پر بٹھلانے کی کوشش کیجاتی ہے جس کا اثر اپنے دل پر بالکل ہی نہیں، جائے غور ہے وہ کمان جو کہ تیر کو سینے تک نہیں کھینچ سکتی، وہ تیر کو کسی بھی عمدہ نشانے پر کیسے پہونچا سکتی ہے، وہ بات جس کا اثر اپنے ہی دل پر نہیں ہے اُس کا اثر کسی اور دل پر کیسے ہو سکتا ہے۔

سوئم۔ کسی کا بُرا چاہنے میں، ہم روحوں کے حقیقی رشتہ کو بھول بیٹھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ع

سنگے زنی بر آئینہ بر خود ہمی زنی

دراصل جو دھوکا وغیرہ ہم کسی کے ساتھ کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی ذات سے دشمنی کرتے ہیں، کیونکہ بُرے خیال کے پیدا ہوتے ہی ہم حقیقی شان کو کھو بیٹھتے ہیں، گویا آبحیات کی جگہ پر زہر کو ہاتھ پر اُٹھا لیتے ہیں، یہ تخیل دوسرے کو اتنا نقصان نہیں پہونچا سکتا جتنا کہ اپنے آپ کو، کیونکہ جو کسی کا مال چھینتا ہے وہ اپنے کو روحانی خزانے سے لاتعلق کردیتا ہے، جو کسی کے متعلق کسی قسم کا کوئی بُرا خیال دل میں رکھتا ہے وہ غور کیجئے کہ اپنے پاس کیا رکھتا ہے؟ بُرا خیال پس بُرا خیال رکھنے والا کیسے نیکی یا اعلیٰ معراج کے قابل ہو سکتا ہے۔

جب ہم اُنکی ہمہ دانی اور موجودگی کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمارے لئے کوئی مکان
یا زمان ایسا نہیں رہتا جہاں پر کہ ہم اکیلے ہوں، اس لئے پوشیدہ ہو کر کرنے والے
تمام فعل وہیں پر ختم ہو جاتے ہیں، اور جھوٹ بولنے کی جرأت اس لئے نہیں ہوتی
کہ جس کے سامنے کرم کیا ہے اُسی کے سامنے جھوٹ کیسے بولا جا سکتا ہے اور کسی کا
بُرا چاہنا اس لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ ایسی ہستی کی موجودگی میں بُرا تخیل نہیں
اُٹھتا اور دوسرے ہر وقت ہر ایک کے ساتھ اُس کو سمجھ کر خوشی ہوتی ہے گویا اُس کے
لاانتہا اوصاف میں سے اگر ہم ان کو سامنے رکھ سکیں تو کوئی بُرائی ہمارے اندر
نہیں رہ سکتی، جب ہم کوئی کام چُھپ کر نہ کریں گے ہمارا آتما بلوان ہوگا، جھوٹ
نہ بولنے سے آتما کا اصلی جوہر ظاہر ہوگا، کسی کا بُرا نہ چاہنے سے محبت عالمگیر ہوگی،
جب ہم کسی بھی ذرّہ کا بُرا نہ چاہیں گے تو ہمارا دشمن بھی کوئی نہ رہیگا، اور زندگی
ایک آسائش سے بڑھ کر ہو جاوے گی، یہ تین باتیں وہ ہیں جن کی ہر ایک شخص
کو ضرورت ہے، ان سے مکان صاف رہتا ہے اور مہمان کے آنے کے قابل
بنا رہتا ہے ع بقول شخصے

خانہ خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود

یہ تین باتیں وہ ہیں جن کو میرے گورو مہاراج ہر ایک شخص کو کہا کرتے ہیں،

اِن کی سادگی میں کیا نہیں، ان کے چھوٹے پن میں کون سی بزرگی پنہاں نہیں، ان کی پستی میں کون سی بلندی موجود نہیں،

بلندی ان باتوں میں یہ ہے، کسی فعل کا پوشیدہ ہو کر نہ کرنا، عدم غیریت یا ظہورِ حقیقت ہے، جھوٹ نہ بولنا حق کا اقرار ہے، کسی کا بُرا نہ چاہنا، سب میں ایک رشتہ کو دیکھنا ہے، ترقی کے لئے اندرونی محنت کی ضرورت اسقدر نہیں جسقدر کہ بیرونی صفائی کی ضرورت ہے، ہم کو بیج ڈال کر اُس کی بیرونی حفاظت کرنی ہے، ترقی اُس کے اندر سے آئیگی، بقول شخصے

تو پاک باش برادر مدار از کس باک   دزنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

یہ پہلا پردہ ہے جو کہ آتما سے سرک جاتا ہے، دل میں ایک مسرت خوشی رہنے لگتی ہے، کیونکہ حقیقت کی تجلیاں سوراخوں میں سے آکر قلب پر پڑنے لگتی ہیں، اور انسان ایک پاکیزگی کا برتن بن جاتا ہے، جیسے ہرن اپنے نافہ کی خوشبو سے مست رہتا ہے ویسے ہی پوتر دل کا آدمی اپنی پاکیزگی کے لطف میں مگن رہا کرتا ہے، اسکی ہمہ دانی، موجودگی کا یقین محض ہمیں برائیوں ہی سے نہیں بچاتا بلکہ ایک لا انتہا شکتی کو ہر وقت ہمارے سامنے ہماری مدد کے لئے رکھتا ہے، اِس لئے اُسکی ہستی کا یقین ہمارے لئے باعث سرور ہے، لیکن جہاں زبان سے اقرار اور عمل میں انکار ہوا کرتا ہے

وہاں وہ چیز مفید ثابت نہیں ہوتی ہے، جیسے کہ بازیگر کا کھیل اور تمام اشخاص پر اپنا اثر رکھتا ہے لیکن اُس کے دل پر کوئی اثر نہیں کرتا، چونکہ وہ اُس کی اصلیت اور دکھاوے سے واقف ہوتا ہے، حضرت عیسٰی Christ جس وقت اُن کے پاس بیمار جایا کرتے تھے تو وہ اُن کو اچھا کر دیتے تھے، ایک دفعہ آپ کہیں گئے ہوئے تھے، اُن کی عدم موجودگی میں ایک بیمار آیا جو کہ تکلیف سے حیران تھا موت کو بصد منت مانگ رہا تھا، اُسکے لواحقین اُسکی زندگی کے خواہاں تھے اس لئے اُس کو وہاں پر لے گئے تھے اُنھوں نے دریافت کیا حضرت کہاں ہیں، شاگردوں نے جواب میں کہا کہ "وہ کہیں گئے ہوئے ہیں" مریض کے لواحقین کی گھبراہٹ بڑھنے لگی اور اُنھوں نے پوچھا "آپ کون ہیں" شاگردوں نے کہا ہم اُن کے چیلے ہیں، اتنا سنتے ہی وہ خوش ہو کر بولے تو پھر آپ ہی اِس مریض کو اچھا کر دیجئے! یہ سُن کر تمام شاگرد دعا میں مصروف ہو گئے لیکن مریض کی حالت بدستور خراب تھی، کسی قسم کا فرق نظر نہ آتا تھا، یہ دیکھ کر سب حیران ہو گئے، اتنے میں حضرت عیسٰی آئے اور اُنھوں نے اُس کو چھوتے ہی اچھا کر دیا، شاگردوں کو یہ دیکھکر بڑی حیرانی اور گھبراہٹ ہوئی کہ ہماری دعاؤں میں اثر معدوم ہے، ہم نے بھی تو گھر بار چھوڑ کر ان کا ساتھ کیا ہے، شاگرد اِس معاملہ کو دیکھکر

خاموش نہ رہ سکے، اُنھوں نے اِس معمہ کو کھولنا چاہا، جس کے جواب میں حضرت عیسٰی یُوں فرمانے لگے "کہ اگر آپ کے اندر اسد کے یقین کا ایک ذرّہ بھی ہوتا تو آپ پہاڑ کو اِدھر سے اُدھر کر سکتے تھے" دیکھئے کسقدر زور سے کہا گیا ہے۔

سُکھمنی صاحب میں یہی لکھا ہے۔

کِنکا ایک جس جیا بساوے   تا کی مہما گنی نہ آوے

"Faith is the root cause of all true knowledge."

Emerson.

شری ہنومان جی بھگوان کا نام لیتے ہی سمندر کے پار جا پہونچے تھے، پرہلاد بھگت اِسی نام کے زور پر آگ اور پانی میں بھی زندہ رہے تھے Christ اسی وشواس کے زور پہ Let thy will be done تیری اچھیا پورن ہو کہتے ہوے دار پر چڑھ گئے تھے، حضرت رسول کریم صاحب اسی یقین کے زور پر اعلٰی بلندی تک پہونچ گئے، گورو نانک دیو جی مہاراج اِسی نام کے زور سے کہاں تک پہونچے، بیان کی ضرورت نہیں ہے، ٹھیک ہے اِس یقین کا ایک ذرہ بھی لا انتہا طاقت سے لبریز ہے تو پھر جہاں پر یقین کامل ہو وہاں کا حال کیا ہوگا،

او پیارے انسان! ذرا آنکھ کھول کر اپنے چاروں طرف دیکھ! پیارے تجھ کو

ایک ایک ذرہ میں بیٹھ کر بلا رہا ہے، بقول شخصے

زفرش تا بفلک ہر کجا کہ مے نگرم ۔۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

کائنات کے ایک ایک ذرّہ سے اُسی ہستی کا ظہور ہو رہا ہے، لیکن اتنا ظاہر ہونے پر بھی وہ پوشیدہ ہے، آفتاب اپنے نور کی تیزی یا عریانی کی وجہ سے چھپا رہتا ہے بقول شخصے ؎

رُخت گرچہ چو خورشید فلک مشہور می باشد ۔۔۔۔ ولے ہم در ظہورِ خویشتن مستور می باشد ۔۔۔ مغربی

بے حجابی یہ کہ ہر ذرّہ میں جلوہ آشکار ۔۔۔۔ اور پردہ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اُس کے دل و دماغ کی کیا حالت ہوتی ہے، اور پھر جس کے پاس لا انتہا ہستی علم سرور کا خزانہ موجود ہو، اُس کے قلب و دماغ کی روشنی کہاں تک ہوگی، او پیارے! تو اپنے سہارے کو بھول کر اسقدر حیران کیوں ہے، اُس ایک کو بھول کر کیوں آوارۂ اضطراب بن رہا ہے اُٹھ اور زور سے رام کہہ، شری ہنومان جی "ہے رام" کہہ کر سمندر سے کود گئے تھے، آپ "ہے رام" کہہ کر دنیا کے پار چلے جاؤ۔

گر بیائی غافل از خود در قدوم یار ما ۔۔۔۔ بس شوی مدہوش و بیخود از بتِ عیار ما

ہست مارا ایں دو عالم از غلط فہمی تو ۔۔۔۔ ہستیِ رام ست عیاں از دیدۂ ابصار ما ۔۔۔ ناتھ

عزلتہا ہمی کردم کہ شیطاں برطرف گردد   زیک ہنی ویکدانی حصارے کردہ ام پیدا

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا   اللہ کہے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

تمام نیچر اس کے ساتھ ہے جو کہ اُس کے ساتھ ہے، ہماری عارضی زندگی عارضی اسباب مٹنے والے پدارتھ عارضی تعلقات، زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہ دینگے بلکہ جس طرح آج تک کانٹے چبھوتے آئے ہیں اُسی طرح اپنی جدائی کے وقت بھی کانٹا چبھو کر ہی چھوڑیں گے جو کہ ناقابل برداشت ہوگا، اس لئے پیارے اُٹھ، بقول شخصے ؎

یارے بگزیں کہ بیوفائی نہ کند   دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند

سرمد   پیوستہ در آغوش کنارت گردد   ہرگز ز تو یک گام جدائی نہ کند

سکھمنی   ساجن سنت کروا یہ کام   آن تیاگ جپو ہر نام +

Say there is but one reality and that is Rama

ناتھ   مخزن راحت ہے لفظ رام دنیا میں عیاں

آ رام کہ آرام لے ورنہ ملے گا پھر کہاں

زندگی تھوڑی سی ہے اور تس پر بھی یقین نہیں کہ کون سا وقت جدائی کا ہے

اقبال   آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ   دم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ

حبابم بر سرِ آبم ز بنیادم چہ می پرسی ہوا تا در سرے دارم دریں ویرانہ آبادم

تیسرے وہ اشخاص ہیں جو کہ اُس ہستی مطلق ہیں یقین رکھتے ہیں اور ہر ضرورت کے وقت اُسی کی طرف مخاطب ہوتے ہیں، یہ اشخاص کیسے خوش قسمت ہیں، اِن کے دل میں اطمینان ہے کہ وہ ہے اور ہم اُس کے ہیں، یہ دُنیا سے بہت حد تک مستغنی ہیں، لیکن محبت اور استغنا میں اپنی خواہشات کا بھی خیال رکھتے ہیں، ہر ضرورت کے وقت اُس کو مخاطب کرتے ہیں، بسا اوقات اس منزل کے مہاتما روٹھنے سے کام لیا کرتے ہیں، اِن کو اُس کی ہستی پر ناز ہے، وہ اپنے آپ کو اُس کا سمجھتے ہیں اور اُس پر بہت حد تک اپنا حق رکھتے ہیں، وہ دُنیا میں کسی ضرورت سے گھبراتے نہیں، اِن کو کسی تکلیف کا ڈر نہیں - بقول شخصے

نہ دارم باک از موجِ خطر با دوست پیوندم غریقِ آبِ حیواں را غمِ مُردن نمی باشد

لیکن اپنی ہر ضرورت کے وقت بھگوان کو مخاطب کیا کرتے ہیں، وہ کہا کرتے ہیں

کہیں نہ دیکھ کے مجھ کو کہیں عدو مجبور یہ اُن کے بندے ہیں جنکو کریم کہتے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ اِن کو اُس ہستی پر کون سا ناز نہیں، وہ ہر کھلونے کے ٹوٹنے اور بننے کے وقت اُسی کو بلایا کرتے ہیں، اِن کو اپنی ہر ضرورت کا خیال ہے، لیکن کسی غیر کو حاجت روا نہیں سمجھتے، ع ہے رُوکر یہ تکرارِ اُلفت تو تجھ سے

وہ اُس کی لاانتہا طاقتوں کو دیکھکر اور غور کر کے خوش رہا کرتے، وہ اپنے مالک کے اوصاف کو یاد کر کے بھلا کس خوشی کا منہ نہیں دیکھتے، دُنیا کی حقیقت ان کی آنکھوں میں ایسی ہے جیسے کہ کوئی بے جان چیز کسی کے مالک کے ہاتھ میں ہو اور وہ ہر وقت اُس کو لینے کی طاقت رکھتا ہو۔

اسی قسم کے ایک مہاتما روزمرّہ اپنی ضروریات کے لئے اپنے مالک کو مخاطب کیا کرتے تھے، کبھی کبھی دوری اور دیری کی وجہ سے گھبرا کر مالک سے لڑا بھی کرتے تھے، ایک اور پرہیزگار مہاتما بھی پاس ہی قیام رکھتے تھے، جو کہ ہر وقت بھگوان کی پرستش میں محو رہا کرتے تھے، اور طرح طرح کے دلائل سے اُنکی ہستی کا ثبوت دیا کرتے تھے، ایک بزرگ انکی ایسی اوستھا کو دیکھکر پہلے سے ناراض اور دوسرے سے خوش ہوا کرتے تھے، ایک دن اُنھوں نے بھگوان کو اس طرح مخاطب کیا کہ مہاراج پہلا آدمی تو بڑا ہی گستاخ ہے، آپ سے لڑتا ہے، اور دوسرا آدمی تو آپ کے یقین میں ڈوبا ہوا ہر وقت آپ ہی کا ذکر کرتا رہتا ہے، بھگوان نے کہا کہ تم نہیں جانتے کہ کون کیسا ہے، میں دونوں سے واقف ہوں، دوسرے کو مجھ میں ذرہ بھر بھی یقین نہیں ہے، اور پہلا اپنی ضروریات کو پورا کرانے کے لئے مجھ سے لڑتا تو ہے لیکن میری ہستی کا پورا قائل ہے، اگرچہ وہ پوری حقیقت سے

واقف نہیں ہے لیکن وہ سیدھے راستہ پر ضرور ہے، مبارک وہ اشخاص ہیں جو کہ اپنی ضروریات کے سامنے حاجت روا کو بھی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں،

بقول شخصے تمھیں نے درد دیا ہے تمھیں دوا دینا مجھے مسیح کے احسان سے بچا لینا

بچہ نے باپ سے ایک پیسہ مانگا، باپ نے انکار کیا، بچہ نے ٹوپی اُتار کر پھینک دی، باپ نے پھر انکار کیا، بچّہ نے دُھلا ہوا کوٹ بھی مٹی میں پھینک دیا، اب باپ حیران ہے کہ انکار کیسے کرے، اتنے میں بچہ کے آنسو نکل پڑے ماتھے پر سلوٹ چڑھ گئے، کسی خاص انداز سے کہنے لگا "آپ پیسہ دینگے یا نہیں ؟ یاد رکھو! اگر آپ نے پیسہ نہ دیا تو میں کبھی بھی آپ سے نہ بولوں گا" وہ باپ کی طاقتوں کو سمجھتا ہے اور اپنی ناتوانی سے بھی واقف ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ پتا کی تمام طاقتوں میں ایک خاص رشتۂ اُلفت اور مہربانی کو بھی دیکھتا ہے اس لئے وہ پیٹ کر بھی ضد ہی کیا کرتا ہے، اب پتا اس کے سلوٹوں کو زیادہ دیر تک ماتھے پر نہیں دیکھ سکتا، آنکھوں میں آنسو بھر کر اُس کا مُنہ چوم لیتا ہے، اور اُس کو طرح طرح کے کھلونوں سے خوش کر دیتا ہے، لیکن کہیں کہیں باپ کو جلّاد کی نمود کی صورت بھی اختیار کرنی پڑتی ہے، جہاں پر کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چیز اس کے لئے غیر مفید ہوگی، وہاں وہ اُس کے رونے کی پروا نہ کرتا ہوا بات کو

کسی اور طرف ٹال دیتا ہے، یا مفید کھلونوں سے اُس کے دل کو بہلا دیتا ہے، در اصل یہ روحانی زندگانی کے بچے ہیں، ان کو جہاں اپنے باپ مالک پر وشواس ہے، وہاں پر ساتھ ساتھ اپنے کھلونوں کا بھی دھیان ہے، یہ بھگوان کے ننھے سے بچے ہیں، ضدّی ضرور ہیں، لیکن پیارے بہت ہیں۔

چوں کحل بینش ما خاکِ آستان شُماست　　　کُجا رویم بفرما ازیں جناب کُجا

یہ بالک بن کر پتا کی گود میں نا جا کرتے ہیں، اپنی ہر ایک بات کو منوانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، رُوٹھ کر، ضد سے، ایڑی رگڑ کر، سر پیٹ کر، پیار سے جس طرح بھی ممکن ہو اپنی اچھیا کے ساتھ اُس کو ملانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، یہ روحانی زندگی کے بچے بڑے ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، ان کے آگے طوفان، بجلی کی کڑک ہتھیار وغیرہ لایعنی ہیں، ان کی زندگی ہر وقت چین میں ہے، اِن کو اُسکی لا انتہا طاقتوں پر اعتقاد ہے، یہ ہر چیز کو اُس میں اعتقاد رکھتے ہوئے ڈانٹا کرتے ہیں

کبیر جی　رام مرے تو ہم مریں ہمری مرے بلا ر　　　ست پرشوں کا بالکا موے نہ مارا جائے

بو علی قلندر　بچشمِ عاشقاں غیر از خدا ہیچ　　　زمین و آتش و آب و ہوا ہیچ

جسوقت کوئی تکلیف دہ چیز اِن کے پاس آتی ہے تو اُسوقت یہ سُرک کر

اُس کے قریب ہو بیٹھتے ہیں، اور بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اب تیری رسائی یہاں تک نہیں ہے،، یہ اشخاص ہر تکلیف کے وقت اُس کو بُلاتے ہیں، اور ہر ضرورت کے وقت اُس کو مخاطب کرتے ہیں، ان کو وہ،، پیارا تو ضرور ہے لیکن اِن کو اپنے کھلونوں سے بھی بہت پیار ہے، مگر آستکتا کا ظہور کتنا خوبصورت ہے، یہ پہلی منزل محض منانے کی ہے، ماننے کی نہیں

چوتھی قسم کے وہ اشخاص ہیں، جو کہ مالک میں وشواس رکھتے ہیں، زبان سے اُس کے ہیں، دل سے بھی اُسی کے ہیں، اپنی ضروریات کا ان لوگوں کو خیال تو ضرور ہے، لیکن اپنے مالک کا خیال اپنی ضروریات سے بڑھ کر رکھتے ہیں، یہ روحانی دُنیا کے دوسری اوستھا میں کھیلنے والے بچّے ہیں، یہ اپنے دل سے ضروریات کا اظہار اپنے مالک پر تو ضرور کرتے ہیں، لیکن نہ ملنے پر بھی خوش رہا کرتے ہیں، یہ محض منانا ہی نہیں جانتے بلکہ ماننے کا بھی خیال رکھتے ہیں، اِن کو جہاں پر اپنی خوشی کا خیال ہے وہاں پر اپنے مالک کی خوشی کو بھی سامنے رکھتے ہیں،

میلِ من سُوئے وصال وقصدِ اُو سُوئے فراق
ترکِ کامِ خود گرفتم تا برآید کامِ دوست

خواجہ حافظ

میری خواہش تو اُس سے ملنے کی ہے اور اُسکی اچھیا جدائی کی طرف ہے
اب مجھے کیا کام کرنا چاہیئے۔ اپنی مرضی کو منانا یا اُسکی ماننا؟ اگر اُسکی مرضی کو مانتا
ہوں تو ہجر قبول کرنا پڑتا ہے، اور اگر اپنی اچھیا کا خیال کرتا ہوں تو اُس پر جبر کرتا
ہوں، اس لیئے واجب کیا ہے۔

ترکِ کام خود گرفتم تا برآید کامِ دوست

یعنی اپنی مرضی کو ترک کر کے پیارے کی مرضی سے ایک ہوتا ہوں، اب غور کیجئے
اس میں ظاہری تو فراق کو قبول کرنا ہے لیکن اپنے باطن میں وصل کو ظاہر کرنا
ہے، چونکہ اُس کی مرضی سے ایک ہونا ہے دو خیالوں کا ایک ہونا عین وصل
ہے، جب اُس کے ساتھ اپنا آپ ہی چھوڑ دیا تو بس وہی رہ گیا، اس میں شک
نہیں یہ منزل بہت مشکل ہے، اپنی اچھیا کا تیاگ کرنا بہت کٹھن ہے، لیکن
اس تیاگ کے بغیر چین بھی تو ناممکن ہے، بھگوان کی اچھیا پورن، آرام وہ
ہر نقص سے پاک ہماری خواہش نفسانیت سے پُرالفت اور نفرت سے بھری
ہوئی ہر وقت تکلیف دہ ناممکن نتیجہ سے ناآشنا گویا محدود علم، محدود خوشی،
محدود سُرور رکھنے والی، اُس کی مرضی لامحدود علم ہستی اور سرور کا چشمہ اس لئے

ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

ایسے اشخاص زیادہ دیر تک اپنی اچھیا کے پنجہ میں نہیں رہتے، ایک دفعہ مالک سے کہتے ہیں اگر اُس نے اچھیا پوری کردی تو بہتر ورنہ اس کو وہیں پر چھوڑ دیتے ہیں ؎

کشتی خُدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
احسان ناخدا کا اُٹھائے مری بلا

دوسرے معنوں میں انکی خواہش اُسی وقت پورن ہو جاتی ہے، خواہش کو پورا کرنے کے دو طریقے ہوا کرتے ہیں۔ پہلا طریقہ خواہش کے مطابق سامان کو اکٹھا کرنا ہے، اور دوسرا خواہش ہی کو معدوم کرنا ہے، مثلاً ایک مکان بنوانے کی خواہش پیدا ہوئی، اب یا تو مکان بن جاوے یا یہ خواہش ہی غائب ہو جاوے ہر دو حالتوں میں آرام ہے، لیکن خواہش کے مطابق سامان کا ڈھونڈھنا، اندر سے باہر کی طرف جانا ہے اور خواہش کو مٹانا اپنے اندر سے وابستہ ہونا ہے، ایسے اشخاص جسوقت کسی خواہش کو مالک کے روبرو رکھتے ہیں تو اُن کا دل ہر وقت اُسکی خوشی کو مقدم سمجھا کرتا ہے یعنی اگر اُدھر سے انکار کا پہلو نظر آتا ہے تو یہ فوراً ہی اپنی خواہش کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، یا دوسرے معنوں میں خواہش کو پورا کر لیتے ہیں، کسی بھی خواہش کا ترک کرنا اُس کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

لیکن پانچویں قسم کے اشخاص کچھ عجیب رنگ و ڈھنگ سے ظاہر ہوتے ہیں

یہ جسم والے ہیں، اِن کو ہر ایک چیز کی ضرورت ہے، مگر ان کی سب سے بڑی ضرورت اپنے مالک کی خوشی ہے، یہ کہنے کو دو ہیں لیکن حقیقت میں غیریت ان سے کوسوں دُور ہے، اِن کو جس وقت کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو فوراً اُس کو اپنے مالک کے رو برو رکھنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ اس طرح کے وچار میں مشغول ہو جاتے ہیں -

میں اپنی ضروریات کا اظہار اپنے مالک کے پاس کروں، لیکن کیا وہ جانتا نہیں ہے، نہیں وہ تو عین علم، دانائی، سر دگیتا ہے، پھر دانائی کو سمجھانا سورج کو دیپک دکھانا ہے، برف کو ٹھنڈک کا پیغام دینا کیا ایک ہنسی آمیز معاملہ نہیں ہے -

کس طرح دردِ نہاں کو روبرو تیرے کروں — یاد آتی ہے مجھے جبکہ ہمہ دانی تری — تاتھ

وہ تو ہمہ داں ہے، اس لئے کیا ایسا ذکر اُس کے کمالِ ہمہ دانی میں فرق کا باعث نہ بنے گا، کیا بھگوان میرے ایسے سوال کو سُن کر مجھ پر نہ ہنسینگے اور کیا دُور ہے کہ وہ ناراض بھی ہو جاویں، اس لئے مجھے اظہارِ سوال نہیں کرنا چاہیے، اور وہ تو میرے ان خیالات سے بھی واقف ہے جو کہ میں اس وقت کر رہا ہوں، اس لئے خاموشی بہتر ہے، لیکن خواہش کا ادھورا ہونا شاید اس بات کو

ظاہر نہ کرتا ہو کہ وہ کر نہیں سکتا، وہ خالی از طاقت ہے، وہ جانتا تو ضرور ہے لیکن پورا کر نہیں سکتا۔

مگر یہ خیال تو پرلے درجے کی ناسمجھی ہے۔ جس کے ایک خیال سے تمام عالم ظاہر ہو رہا ہے اُس کے آگے کسی ایک خیال کا پورا کرنا کون سی بات ہے۔ پھر جبکہ وہ جانتا بھی ہے اور پورا بھی کر سکتا ہے، پھر کیوں نہیں کرتا، معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی راز ہوگا جس کو میں ابھی تک نہیں سمجھ سکتا، دوم مجھے اپنی ضروریات کو پورا کرنا بھی تو اُسکی خوشی کے لئے ہے، لیکن مجھ کو اس سے بڑھ کر اور خوشی ہی کونسی ہے کہ وہ خوش ہو اور اُس کی خوشی ہمیشہ ہماری خوشی کے لیے ہے، پس اُسکی خوشی ہماری خوشی ہے، اُس نے مجھ کو اس حال میں کیوں رکھا ہے، اس کو وہی سمجھ سکتا ہے، مجھ کو محض اُس کے علم پر وشواس کرتے ہوئے اس کشمکش کا تیاگ کر دینا چاہیئے

ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف ست   بہ دُرد و صاف ترا نیست کار دم درکش

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع

جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دوم عالم کا ایک ایک ذرّہ اپنی لیلا سے اپنے مالک کو خوش کر رہا ہے کائنات کے تماشہ میں اگر بلندی ہے تو پستی کی بھی ضرورت ہے، خوبصورت

سے ساتھ کسی بدصورتی کی بھی ضرورت ہو، ممکن ہے میری خستہ حالت ہی بھگوان کو پیاری لگ رہی ہو، پھر مجھ کو تو خوشی اُس میں ہے جس میں کہ وہ خوش ہے، اور وہ جو کچھ بھیجتا ہے اُس میں ہماری بہتری موجود ہوتی ہے۔

غُصّہ ترا دَوا ہے، رحمت تری غذا ہے　　　شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں

کسی وقت صحت کے لئے کھانا اور کسی وقت پر فاقہ مفید ہوا کرتا ہے، ممکن ہے میری موجودہ کمی میں کوئی خاص بہتری پوشیدہ ہو اس لئے میں اسمیں بھی خوش ہوں بلکہ اس ہی میں خوش ہوں،

بھانا تیرا میٹھا لاگے　　　نانک نام پدارتھ مانگے

جیہ جنت سب شرن تمھاری سرب چنت تُدھ پاسے

جو تدھ بھاوے سوئی چنگا اک نانک کی اردا سے

Thy will be done,

یہ یقین اور منزل کا آخری ورشیہ ہے اس میں عام ماتر کو بھی اپنی مرضی نہیں ہے یا دوسرے معنوں میں سب مرضی اسی کی ہے، غیریت مفقود ہے، جہاں پیارے نے بٹھایا ہے اُسی کو اپنی مرضی سمجھ کر بیٹھے ہیں، ایسے اشخاص خواہش کے بعد سامان کو نہیں ڈھونڈا کرتے، بلکہ سامان کے بعد خواہش کو پیدا کیا کرتے

ہیں، اِن کے چِت میں کبھی تکلیف کا نام تک بھی نہیں آسکتا، کیونکہ کسی بھی حالت کے ساتھ یہ اپنی اِچھیا کو پیدا نہیں کرتے ہیں، اِن کے اصول میں تو ہر چیز بہتر ہے، کیونکہ بہتر کی طرف سے آتی ہے، اِن کے چت میں ہر وقت شانتی ہے۔

"I am content with what God has given me as my share, and commit to my Creator my every care to do good in the past has been indeed His will, He will do good as well in what is to come still."

شبد ہزارے تلنگ محلہ (۱)

لب لوبھ اہنکار کی ماتی مایا ماتھ سمانی — اپنی باتی سوہ پائیے ناہیں بھئی کامن ابانی
جائے پچھو سہاگنی واہے کنی باتی سوہ پائیے — جو کچھ کرے سو بھلا کر مانیے حکمت حکم چکائیے
جاکے پریم پدارتھ پائیے تو چرنی چت لائیے — سوہ کہے سو کیجے تن من دیجے ایسا پرمل لائیے
ایو کہے سہاگنی بھینے اپنی باتی سوہ پائیے — آپ گوائیے تا سوہ پائیے اور کیسی چترائیے
سوہ ندر کر دیکھے سو دِن لیکھے کامن نو ندھ پائیے — اپنے کنت پیاری سا سہاگن نانک سا سبھرائیے

ایسے رنگ راتی سہج کی ماتی اہنس بھائے سمانی
سندر سائے سروپ بچکھن کہیے سا سیانی

بحر یست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست		اینجا جز ایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست

پروانہ کو عاشقی کا خطاب یا وصل حقیقی کا پتہ ہی نہیں چل سکتا جب تک کہ وہ اپنا آپ شمع کو نہ سونپ دے، قطرہ اپنے وجود نمودی کو گم کئے بغیر کبھی بحر سے ایک نہیں ہو سکتا جب تک ایک ذرّہ خودی کا بھی ہمارے دل میں موجود ہے ہم کبھی اُس حقیقت کا روے زیبا نہیں دیکھ سکتے،

کوزۂ گر پرآب شد تا از ہوا خالی نشد		تن چو شد از جاں تہی لبریز جاناں می‌شود

جیسے آنکھ کے سامنے دیوار آنے پر ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے ویسے ہی آنکھ کے سامنے ایک اُنگلی کے رکھنے سے بھی پردہ موجود ہو جاتا ہے، جیسے لاانتہا خواہشات کا وجود ہم کو آتما سے جدا کرتا ہے، ویسے ہی ایک خواہش بھی ہم کو حقیقت سے جُدا رکھتی ہے۔

جُز ایں کہ محو کنم از دل آرزو ہا را		نماندہ است مرا در دل آرزوے دگر

راجہ جنک کے دل میں ایک خاص پاکیزگی کے بعد حقیقت کی تلاش ہوئی، اور اس کے ساتھ ہی اُن کو منزل مقصود تک پہونچنے کا ذریعہ ایک گرو ہی محسوس ہوا، ہم دنیا کی مختلف اشیا کا علم رکھنے کے لئے کسی اُستاد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو پھر اس قدر باریکی سے آگاہ ہونے کے لئے ہمیں کسی ہر کامل

کی ضرورت کیسے نہ پڑیگی، بعض اشخاص جن کو ہم بغیر کسی ظاہری شخصی مدد کے ترقی کے زینے پر دیکھتے ہیں اُس میں بھی ایک مخفی راز ہے، لیکن بہر حال انسانی ترقی کا ذریعہ مرشد کی نزدیکی ہے، اُپنشدوں کے حصہ میں اِندر اور ورچن کا پرجا پتی جی کے پاس جانا لکھا ہے، اسلام کے دائرہ میں بھی سلسلۂ پیر و مرشد بہت حد تک کام کر رہا ہے، یعنی ایک بچہ جب تک بچہ ہے اُس وقت تک اُس کو ایسی زبان کی ضرورت ہے جس سے کہ وہ آگاہ ہو سکتا ہو، اُس کے سامنے کسی دیگر مشکل زبان کا رکھنا اُس کو محض لاعلم رکھنا ہے، انسان اپنے ابتدائی حالات میں فوراً ہی اُس حقیقت لایزال سے اپنا تعلق پیدا کر نہیں سکتا ہے اور غیر مجسم کے انوار سے فیضیاب بھی نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ اُس کو اپنے ساتھ رکھتا ہوا بھی اُس کو محسوس نہیں کرتا ہے، اِس لئے اُس کو کسی اپنے ہی جیسے مجسم کے ذریعہ اُس روشنی کی پراپتی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہم ایک تاریک کمرہ میں بیٹھے ہیں، اور ہم وہیں پر سورج کے پرکاش کو دیکھنا چاہتے ہیں تو کس طریقہ سے ہم اس مُدعا کو پورا کر سکتے ہیں، ایک آئینہ کو باہر سورج کی طرف کر کے کھڑے ہو جائیے اُسکا عکس فوراً ہی اُس میں اُتر آویگا، اب اُس آئینہ سے درخواست کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ مہربانی کر کے اس روشنی کو ذرا اُس تاریک کمرہ تک پہونچا دیں مگر اب یہ بات

اُسکی مرضی پر منحصر ہے، کہ وہ اپنا تھوڑا سا رُخ پلٹ کر روشنی کو دیواروں تک پہونچا دے۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

ویسے ہی ہمارے دل ایک ایسی تاریک کوٹھری کے مانند ہیں جسمیں نورِ حقیقت کا فوراً پہونچنا مشکل ہے، اس لئے اگر کسی کامل شخصیت کے قدموں میں جاگریں تو ممکن ہے کہ وہ اپنے دل کے نور کو ہماری طرف بھی پھینک دے اور اس پرکاش سے ہم کُل پرکاش کا یقین اور اندازہ کر کے خود بھی اُس تاریک کوٹھری سے باہر نکل کر روزِ روشن میں آفتاب کی تجلیات سے فیضیاب ہو سکیں۔

چشمِ باطن میں دیا نشترِ نگاہِ تیز کا کٹ گیا وہ رنگ محسوساتِ کفر انگیز کا

مہاراج جنک کی سچی تلاش زیادہ دیر تک اپنے آپ کو محض شاہی سلسلہ میں مقید رکھنے کے لئے تیار نہ تھی اس لئے اُنھوں نے تمام فقرا اور عالموں کو خبر کی، کہ مجھے حقیقت کی تلاش ہے اُس کے لئے رہبر کی ضرورت ہے، لیکن ایسے رہبر کی ضرورت ہے جو کہ گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھتے ہی حقیقت سے ملا دے،

یہ خبر فوراً ہی عالم کے چاروں گوشوں میں پھیل گئی، ہر ایک اِس جستجو کو دیکھکر اِس تلاش میں محو و مستغرق ہو گیا کہ گھوڑے کی رکاب میں پائوں رکھتے ہی

حقیقت سے آشنائی چاہنا کتنی مضحکہ خیز بات ہے، یہاں برسوں میں عقدہ نہیں کھلتا، راجہ جنک کی یہ محض بیتابی ہے اور کچھ نہیں اور یہ تمام سلسلہ ناممکنات سے ہے، پھر بھی ہم کو وہاں چل کر اس تماشہ کو دیکھنا چاہیئے اور ساتھ ہی راجہ جنک پر اُسکی بیتابی باطل کا بھی اظہار کرنا چاہیئے۔

اِس وقت دربار میں بڑے بڑے لاثانی عالم، پنڈت، رشی، مہاتما موجود تھے، اس تمام سلسلہ میں ایک طرف ایک تخت بھی بچھا ہوا تھا، اور یہ تخت اُس کے لئے تھا جو کہ مرشد ہونے کا دعوٰے کرکے ایک سیکنڈ میں حقیقت سے آشنا کردے، تمام پنڈت، مہاتما، فلاسفر تخت سے نیچے ہی بیٹھتے جاتے تھے، کیونکہ اُن میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو اس بات کے قابل نہ سمجھتا تھا مختلف طریقوں سے راجہ جنک کو سمجھانے کی کوشش کیجارہی تھی کہ آپ اِس سعیِ لاحاصل کو ترک کیجیئے، آتم پراپتی کوئی کھلونا نہیں ہے جو فوراً ہی آپ کے ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے، لیکن مہاراجہ جنک معمولی عالموں میں سے نہ تھے، وہ ہر علم اور ہر بات میں ایک کمال تک پہونچے ہوئے تھے، وہ ان کی ایسی باتوں کا بالکل دھیان نہ کرتے تھے، اور اپنے اُسی خیال صادق پر اڑے بیٹھے تھے جب اسقدر بھیڑ کے اندر کوئی پنڈت اور مہاتما اِس بات کے لئے تیار نہ ہوا

تو مہاراجہ جنک کی بیتابی اور بھی بڑھ گئی کہ کیا میری آرزو کی شاخ بغیر پھل کے ہی رہے گی، کیا میرا سچا عشق کوئی معنی پیدا نہ کریگا، کیا میری حقیقی جستجو بالکل باطل ہی جائے گی، آہ ہر شمع کے پاس پروانے ہوں، ہر پھول عنادل سے گھرا ہو، ہر چیز اپنی اصلیت سے وابستہ ہو، اور میری جستجو صادق کے لئے حاجت روا گورو، مرشد کوئی نہ ہو، ؎

ناتھ
وہ صدائے خندۂ گُل نہیں، یا ظہورِ نالۂ دل نہیں
میرا گوش جانب غیر ہے یا نہاں ہے نغمۂ بنسری

یہ تو نیچر کا لاتبدل اصول ہے کہ سچّی خواہش کا پُورا ہونا ایک ضروری امر ہے، یہ اصول تو غلط ہو نہیں سکتا، آفتاب ممکن ہے تاریک ہو سکے، آگ ممکن ہے ٹھنڈک برسا سکے لیکن یہ اصول لاتبدل ہے کہ ضرورت حقیقی کے لیے سامان کا پہونچنا لازمی ہے،" کبھی باطل نہیں ہو سکتا ہے، معلوم ہوتا ہے ابھی تک میری خواہش میں کمی ہے ؎

اقبالؔ
نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی　　اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اِتنا سُوچ کر بیتابی کے لاانتہا سمندر میں غرقاب ہو گئے، اُن کو ظاہری عیش وآرام راج پاٹ بالکل لایعنی معلوم ہونے لگا، کسی چیز میں دلبستگی نہ رہی،

انتظار کی خلش بیحد بڑھ گئی، اب یا تو حقیقت سے وابستگی ہو اور یا زندگی ختم ہو جائے
تلاش صادق کے معنی کیا ہیں، یا تو شئے مطلوبہ ملے اور یا ہم نہ رہیں

لیکن نیچر کا یہ اصول لاتبدل یہاں پر بھی ظاہر ہو گیا، ایک مہاتما اشٹاوکر جن کے جسم میں آٹھ بل تھے لڑھکتے ہوئے ایک طرف سے آنکلے، اور سیدھے تخت کی طرف بڑھ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے اور بیٹھ گئے، اس صورت بے صورت کو دیکھکر دربار میں قہقہہ لگا، اور ساتھ ہی سب کو اس کی نادانی پر افسوس اور غصہ بھی آنے لگا، کہ ایک تو آٹھ بل رکھنے والا پہلے ہی ہے، اور دوسرے عقل سے بھی بالکل خالی معلوم ہوتا ہے، اگر اس کو ہماری شخصیتوں کا کچھ بھی علم ہوتا تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرتا اور نہ ہماری بے عزتی کا باعث بنتا، راجہ جنک بھی اس عجیب صورت کو دیکھکر حیران ہو گئے، کہ جسکی صورت شکل ایسی ہے وہ مجھے کیا اُپدیش کر سکتا ہے، یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر نے میرا غم غلط کرنے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا ہے، یعنی ایک ہنسی کی صورت سامنے لا رکھی ہے، اس بات کو دیکھتے ہی

اشٹاوکر جی نے بڑے زور سے ہنستے ہوئے کہا
کہ اے مہاتماؤں، پنڈت صاحبان (ا کشو) گنا ٹیڑھا ہوتا ہے لیکن

اُس کا رَس ٹیڑھا نہیں ہوتا ہے، ندی ٹیڑھی ہوتی ہے پرنتو اُس کا جل ٹیڑھا نہیں ہوتا ہے، یدی یہ پانچ بھوتک یعنی پانچ عنصروں سے بنا ہوا جسم ٹیڑھا ہے لیکن اس میں رہنے والا آتما تو ٹیڑھا نہیں ہے، مجھے حیرانی ہے کہ ایسے عالموں کو بھی جسم کے دیکھنے سے آتما میں ٹیڑھا پن کیوں نظر آرہا ہے،،

یہ جواب نہ تھا، بجلی تھی، یہ آواز نہ تھی، حیرت تھی، سب حیران ہو کر اشٹاوکر جی کی طرف بار بار دیکھنے لگے اور مہاراجہ جنک نے اپنے گورو کو پہچان لیا جیسے مقناطیس لوہے کو اور لوہا مقناطیس کو سمجھ لیتا ہے ویسے ہی مہاراجہ جنک کے چت میں وشواس کی دھارا بہنے لگی اور اپنی کامیابی پر فخر کرنے لگے

گمرہی خود منزلِ مقصود کی ہے رہنما　　　خضر مل جاتے ہیں جنکو راستہ ملتا نہیں

اِس وقت تمام دربار میں سوائے حیرانی کے اور کچھ نہ تھا، سب یہی سوچ رہے تھے کہ گھوڑے کی رکاب میں پاؤں کو دھرنا اور آتم پراپتی کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے، مدتوں میں جو چیز نہیں ملتی ہے وہ اسقدر جلدی کیسے پراپت ہو سکتی ہے، لیکن رہ رہ کر اشٹاوکر کی طرف سب دیکھ رہے تھے کہ اس بل رکھنے والی ہستی سے کس بل کا اظہار ہوتا ہے۔

راجہ جنک مارے خوشی کے گھوڑے کی طرف بڑھ کر ایک رکاب سے

دوسری رکاب میں پاؤں دھرنے ہی لگے تھے کہ اشٹاوکرنے راجہ جنک کو مخاطب کیا اور کہا کہ آپ نے گورو تو بنا یا لیکن گورو دکشنا تو کچھ دی ہی نہیں، راجہ جنک نے کہا کہ آپ جو چاہیں لے سکتے ہیں، مجھے کسی چیز کے بھی دینے میں انکار نہیں ہے، راجہ نے کہا "آپ یہ راجیہ لے لیجئے" مہاراج فرمانے لگے کہ اس سلطنت پہ تمہارا حق ہی کیا ہے" آپ سے پہلے آپ کے پتا اور آپ کے بعد آپ کے پُتر حقدار ہیں، راجہ جنک نے کہا "آپ میرا جسم لے لیجئے" مہاراج فرمانے لگے کہ اس پر رعایا کا حق ہے، بیٹے کا حق ہے، اور مختلف ہستیوں کا حق ہے، میں کسی کا حق کیسے لے سکتا ہوں، اور تم کسی کی چیز کیسے دے سکتے ہو، راجہ جنک حیران ہو گئے اور کہنے لگے" مہاراج پھر میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو آپ کے سامنے رکھ سکوں" آپ ہی کسی چیز کو منتخب کر لیجئے میں بلا دریغ آپکی نذر کر دونگا،

اشٹاوکر فرمانے لگے "اچھا راجہ تو پھر اپنا چت دل ہمیں دے دو،

راجہ نے بخوشی تمام منظور کیا اور کہا کہ مہاراج اب سے یہ دل آپ کا ہے میرا نہیں، میں اس سے آگے اس دل پر کوئی حق نہیں رکھتا ہوں" آپ کی چیز ہے جو چاہو سو کرو۔ اشٹاوکر اس جواب کو سنتے ہی تخت سے اترے اور اتر کے کسی طرف کو چلے گئے۔

راجہ جنک کا ایک پاؤں رکاب میں ہے اور دوسرا دوسری رکاب میں پہونچنے کا منتظر ہے، دربار میں تمام پنڈت مہاتما اس وقت کے انتظار میں ہیں کہ کب راجہ جنک کو انکشاف ہوتا ہے، ایک سناٹا ہے، لیکن اشٹاوکر ان تمام باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے موج کے مالک کسی طرف کو چلے گئے راجہ جنک گھبرا گئے کہ یہ اچھا اپدیش ہے ایک پاؤں رکاب میں ہے دوسرے کو رکھنے کا انتظار ہے لیکن اُپدیش دہندہ نہ معلوم کدھر کو چل دیے، مجھے چاہیئے کہ ان کو آواز دے کر پوچھوں کہ میرے لئے کیا حکم ہے، مجھے آتم پراپتی کے لئے انتظار ہے آپ اپنی شرط کے برخلاف کدھر کو جا رہے ہیں، لیکن ان تمام باتوں کو محض اِسی خیال سے کہ دل جس سے میں سوچ رہا ہوں یا آواز دینے کا خیال کر رہا ہوں یہ تو میرا نہیں بلکہ اُن کا ہے اس لئے کسی کی چیز پر قبضہ بیجا کرنا درست نہیں ہے میں دوسری رکاب میں پاؤں رکھوں لیکن یہ حرکت بھی تو بغیر دل کے ناممکن ہے اس لئے اس وقت میں ایک عجیب حالت میں ہوں، نہ چل سکتا ہوں، نہ بول سکتا ہوں، نہ اپنا کوئی تخیل ہی قائم کر سکتا ہوں، میں اس رکاب سے پاؤں بھی نہیں ہٹا سکتا کیونکہ یہ حرکت بھی دل سے تعلق رکھتی ہے اور دل میرا نہیں مرشد کا ہے پھر کیا ہو جو کہ ہو رہا ہے، دِل اشٹاوکر جی کا ہے، اور میں

اُسکی حرکات کو دیکھ رہا ہوں، یعنی من کے ساکشی بن گئے اور لا انتہا سرور سے ایک ہو گئے۔ مگر پاؤں وہیں کا وہیں رہا، تھوڑی دیر کے بعد مہاراج اشٹاوکرجی آ گئے لیکن راجہ جنک نے عزت کے لئے کوئی بات پیش نہ کی تصویر حیرت بن کر کھڑے تھے، اشٹاوکرجی راجہ کے چت کی اوستھا کو سمجھ کر کہنے لگے کہ راجہ! اس وقت دل تمھارا نہیں میرا ہے، تم محض اسکا تماشہ دیکھنے والے ہو، تمام دُنیا Objective form درشیہ روپ میں آپ کے سامنے ہے، آپ سب کو دیکھ رہے ہیں آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تمام حرکت معلوم میں ہے، عالم میں عین سکون ہے، تمام افعال نشیب و فراز، ترقی تنزل دیش کال وستو میں ہے اور دیش کال وستو من میں ہے اور تم من کے ساکشی ہر وقت موجود ہو، آگے تم من کو اپنا سمجھ کر کھیلا کرتے تھے اور اسکی حرکات کو اپنے میں دیکھا کرتے تھے یا عین من بنکر ہی رہا کرتے تھے، اگرچہ اُس اوستھا میں بھی تمھارا آتما ہر وقت اس تعلق سے بری تھا لیکن تم اپنے اگیان وش ایسا سمجھا کرتے تھے، آج دل آپ کا نہیں ہے، اشٹاوکر کا ہے، اسکی حرکت اشٹاوکر کے من کی حرکت ہے، تم اس کو دے چکے ہو اسکی حرکت کا مالک میں ہوں تم محض اسکو دیکھ رہے ہو، تم اپنا تعلق اس سے توڑ بیٹھے ہو، پس اسکے تعلقات بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے ہیں آج تم دیش، کال

وستو سے اوپر ہو، تم اس من کو منور کر رہے ہو، یہ تم کو پکڑ نہیں سکتا، تم اس کو دیکھتے ہو یہ تم کو دیکھ نہیں سکتا سشپتی اوستھا میں تم اس سے علیحدہ ہوا کرتے ہو اس وقت اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہو پس ہر وقت آزاد رہتے ہو جب بیداری میں آتے ہو یہ اپنا قبضہ آپ پر جما لیتا ہے تم اسی میں بندھے ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ گھوما کرتے ہو اب اسکی علیحدگی ہمیشہ کے لئے آپ سے ہو چکی ہے، یہ من اشٹاوکر کا ہے اب راگ دویش، دکھ سکھ آپ تک نہیں پہونچ سکتے، پردہ کی سرخی آئینہ کو سرخ نہیں کر سکتی ہے، تم ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو، دیش کال وستو من میں ہیں اور نام روپ دیش کال وستو میں ہے، غیریت نام روپ میں ہے، راگ دویش غیریت میں ہے، پاپ پن راگ دویش میں ہے، جنم مرن پاپ پن میں ہے اور بندھن جنم مرن میں ہے، تم اس سے علیحدہ اس کے ساکشی ہو، تم ہر تعلق سے پاک ہو کسی چیز کی رسائی آپ تک نہیں ہے، آتما موت کے خیال سے پاک ہے چونکہ موت اجزا کے بکھرنے کا نام ہے اور آتما اجزا سے مرکب نہیں، زندگی سے بھی اوپر ہے، کیونکہ زندگی اجزا کے ملنے کا نام ہے اور یہ جزویات سے کوسوں دور ہے، یہ دکھ سے بری ہے کیونکہ اس میں کوئی مخالف آ نہیں سکتا، اور کوئی موافق اس سے جدا نہیں ہو سکتا، یہ عین راحت ہے، لیکن اس حقیقت کا انکشاف

ترکِ خودی کے بعد ہوا کرتا ہے جبتک خودی قائم ہے حقیقت پردہ میں ہے اور اس کے بعد آفتاب کے مانند اسکی تجلّی چاروں طرف پڑا کرتی ہے

تو تہی از حق از آنی کز خودی و خود پُری ؛ پُر ز حق آندم شوی کز خویشتن گردی تہی — مغربی

" When shall I be free?
When "I" shall cease to be. "

روشنی کے آگے اپنا وجود ہی تاریکی ہے، ہم روشنی کی طرف پیٹھ کرکے جس قدر بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اُسی قدر تاریکی ہمارے سامنے رونما ہو جاتی ہے اور ہم اپنی ہی پیدا کردہ تاریکی میں ٹھوکریں کھا کھا کر گرا کرتے ہیں، یہ تمام ترقی ایک اندھیرا ہے جس میں چین مفقود ہے، لیکن ہم جسقدر اُس حقیقت کی شمع کے سامنے مٹا کرتے ہیں اسیقدر اس سے ایک ہو جاتے ہیں یعنی جب کھڑے سے بیٹھ جاتے ہیں اور بیٹھے سے لیٹ جاتے ہیں اُسی قدر روشنی ہمارے سامنے رونما ہوتی جاتی ہے اور جب ہم بالکل ہی ختم ہو جاتے ہیں روشنی ہی روشنی رہجاتی ہے اسلئے اُس حقیقت کے ساتھ کچھ بھی بننا اُس سے دُور ہی رہنا ہے یعنی اپنے لئے تکالیف کا سمندر تیار کرنا ہے، ہم جسم نہیں چونکہ اس کے تغیر و تبدل کو ہمیشہ دیکھتے ہیں اور خواب میں اس کے نہ ہونے کو بھی سمجھتے ہیں، دوئم اگر یہ' میں' جسم ہوتی تو جسم کا کوئی حصہ

ضائع ہونے پر میں ضرور چھوٹی ہو جاتی، اس لئے میں جسم نہیں ہم سامنے کی کرسی کو دیکھتے ہیں اسلئے ہم کرسی نہیں ہم جسم کے بیرونی حصہ کو دیکھتے ہیں اسلئے ہم جسم نہیں، ہم خیالات کے شاہد ہیں اسلئے دل بھی ہم نہیں، ہم عقل کے پہلوؤں کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں، اسلئے ہم عقل بھی نہیں، ہم زندگی کی حرکت سے واقف ہیں اور پران کی کمی وبیشی کو سمجھتے ہیں اسلئے ہم اس سے بھی جدا ہیں، تمام معلوم، ہم نہیں ہو سکتے یعنی جو کچھ سامنے آسکتا ہے وہ ہم نہیں اور جس سے سب کچھ سامنے نظر آرہا ہے وہ آتما ہے اسکے لئے فنا کا خیال ایک عجیب سوال ہے کیونکہ آتما کے ٹٹنے کا ساکشی دانندہ کون ہو سکتا ہے، آتما خود یا اور کوئی غیر آتما تو ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ خود فنا ہونے والی چیز ہے، اور غیر اسکے بغیر بے جان ہے مثلاً عقل، دل حواس وغیرہ جس چیز کے ہونے کے لئے کوئی ثبوت نہیں اس کا وجود ہی کیسے قائم کیا جا سکتا ہے، اگر کہا جاوے کہ دوسرا آتما اس کا ساکشی ہو سکتا ہے تو سوال آتما میں ہے نہ کہ دوسرے میں جسم دل عقل وغیرہ تک تو من وشما کا جھگڑا ہے اور یہ اس کو ٹٹتے دیکھ نہیں سکتے اور ان کے بغیر ٹٹنا وغیرہ کا خیال ہی مشکل ہے،

دوئم موت کیا چیز ہے اجزا کا بکھرنا، جو چیز دل کے اوپر ہے وہ دل کے آگے رہنے والی چیزوں کے مانند نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ اپنی زندگی

ہستی میں لا انتہا ہے

خیز و جامِ عشرتے را از کنارِ خود بگیر — اے اسیرِ جستجوے درمیانِ منزلے — بقول شخصے ناسخ

नैनं छिन्दन्ति शस्त्राणि नैनं दहति पावकः
न चैनं क्लेदयन्त्यापो न शोषयति मारुतः २३

بھگوت گیتا ادھیائے دوسرا

اے راجہ آپ اِس وقت دل اور تمام عالم کے دیکھنے والے ہیں،

آپ ان تمام تعلقات توہمات جذبات حرکات سے اوپر ہیں،

آپ ایک مدت تک اپنے آپ کو اِن میں اور اِن کو اپنے میں دیکھتے رہے

اب آپ کا وقت ہے کہ گیان روپی تلوار سے اس تعلق کے بندھن کو کاٹ کر آزاد ہو جاویں، راستہ دُور نہیں ہے، حباب کو آب تک پہونچنے میں کتنی دیر لگ سکتی ہے، گھڑے کو مٹی تک پہونچنے میں کتنے وقت کی ضرورت ہے، پھول کی پھنکڑی کے توڑنے میں دیر لگتی ہے لیکن آتم پراپتی میں بالکل دیر نہیں لگتی، آنکھ کے کھولنے اور بند کرنے میں دیر ہوتی ہے لیکن آتم پراپتی میں نہیں، پراپتی حقیقی معنوں میں تو اُس چیز کی ہوا کرتی ہے جو کہ موجود نہو اور جو موجود ہے اُسکی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے اور جو موجود نہیں وہ مل نہیں سکتا، جو ہے وہ جُدا نہیں ہو سکتا ہے، اگر کوئی اصلیت محدود ہو تو وہ اصلیت ہی نہیں،

اس لئے حقیقت تک رسائی کے کیا معنی ہے ترک باطل اور کچھ نہیں، کپڑا میلا ہو جاتا ہے، سفیدی اُس میں ہوا کرتی ہے، بیرونی کثافت کی وجہ سے اس میں وہ نظر نہیں آتی، دھوبی کپڑے میں سفیدی ڈالتا نہیں ہے بلکہ میل کو اُتارتا ہے، جو ہر ذاتی جو ہوتا ہے وہ کسی حالت میں جُدا نہیں ہو سکتا ہو جسوقت ہم تمام بیرونی عالم سے غافل ہو جاتے ہیں تو اُسی وقت اصلیت سے واصل ہو جاتے ہیں ۔

تعلق حجاب ست وبیحاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

ایک مثال لیجئے، جس وقت ہمارے اندر کوئی خواہش نہیں ہے اُسوقت ہمارا باطن کیا ہے محض سرور، سکون، جونہی کسی بیرونی چیز کو دیکھکر خواہش پیدا ہوئی ہم آتما سے بیگانہ ہو گئے یعنی اصلیت سے جدا ہو گئے، اس بیگانگی میں کوئی حقیقی جدائی نہیں ہے محض ایک بیرونی نظر کا نام ہجر ہے، لیکن جب تک وہ نظر باہر کی جانب رہتی ہے ہم سرور ذاتی کو محسوس نہیں کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ جُوں کا توں ہی موجود ہوتا ہے، جیسے کہ آفتاب میں گرمی اور روشنی ہے، لیکن جب ہم آفتاب کو ایک ٹھنڈے پانی میں بیٹھکر دیکھتے ہیں تو بند کمرہ سے آفتاب کی گرمی کا ظہور نہیں ہوتا، لیکن گرمی اُس میں موجود ہوتی ہے، اور جب ہم آفتاب کو

آنکھیں بند کر کے باہر نکل کر دیکھتے ہیں تو اُس میں محض گرمی کا ظہور ہوتا ہے، روشنی کا نہیں، لیکن کمی کس میں ہے محض ہماری حالتوں میں، آفتاب اپنی شان میں ہر وقت ایک جیسا ہے ویسے ہی سرورِ ذاتی کا ضائع ہونا حقیقی معنوں میں ضائع ہونا نہیں ہے بلکہ بیرونی محویت کے پردہ میں ہم اُس کو دیکھ نہیں سکتے ہیں،

خواہش کے پیدا ہوتے ہی ہم اپنے آپ کو حقیر دُکھیا مصیبت زدہ سمجھنے لگتے ہیں اور اُس چیز کے ہجر میں نالاں ہوتے ہیں، لیکن معاملہ تو کچھ اور ہی ہے ہجر کسی شے کا نہیں ہے بلکہ اپنی ذات کا ہے، جُدا اپنے سے ہوئے اور غیر کی جُدائی کا دعوےٰ کرنے لگے کتنا مضحکہ خیز امر ہے ؎

ہے فراقِ آپ یہ آرزو کہ وصال آپ ہو کس طرح،

یہ خیالِ وصل ہے ہجر سا اسے ترک کر یہ وصال ہے — نا معلوم

اب جب تک کسی وجہ سے ہم اُس چیز کو حاصل نہیں کر لیتے ہم اپنے آتما سے نہیں مل سکتے ہیں اور بغیر اس وصل کے چین مشکل ہے، اپنے آتما کا ہجر چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، خیر جب بعد محنت کے وہ چیز حاصل ہوئی تو کیا ہوا وہ خواہش پوری ہوگئی یعنی وہ موج جو کہ بیرونی اشیا کی طرف مائل ہو کر اپنے آتما سے جُدا ہوگئی تھی اب اُس چیز کے وصل سے آتما سے واصل ہوگئی، پس چین کب حاصل ہوا

جبکہ آتما سے ملے لیکن جب تک چیز کے ملنے پر بھی ہم اُسی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور اُس کے ضائع ہونے کے خیال میں لگے رہتے ہیں یا اُسکی قائمی کی فکر کرتے ہیں، اُس وقت تک بھی ہم اپنے آتما سے نہیں ملتے ہیں، خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے سُرور تھا، خواہش کے پیدا ہونے پر ضائع ہو گیا، مٹنے پر پھر حاصل ہو گیا، اب ہم اس کو حاصل نہیں کہہ سکتے کیونکہ سرور تو اُس میں ہمیشہ موجود ہی ہے محض بیرونی نظر کے پردہ میں چھپا رہتا ہے اور جب ہم اس نظر سے فارغ ہو جاتے ہیں اُسی وقت ہم حقیقت سے مل جاتے ہیں جو کہ حقیقی معنوں میں ابدی وصل ہے،

ناسخ
مرا رنگ پردۂ موج میں نہ چھپا چھپائے سے بھی کبھی
میں سراپا مستیٔ آب ہوں نہ فراق ہے نہ وصال ہے

ع بس اِک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دِل کا

از بال و پر غبارِ تمنّا فشاندہ ایم — بر شاخِ گُل گراں نہ بود آشیانِ ما

مکڑی کو جب کسی مکھی وغیرہ کے پکڑنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اُسوقت وہ اپنے اندر سے جال کو نکالا کرتی ہے لیکن وہ اپنے اِس خیال کے جال میں خود ہی گرفتار ہو جاتی ہے، اگر اُس کو آزادی کی ضرورت ہے تو دوسروں کے پکڑنے کا خیال بھی ترک کر دے، جب ہم کسی بیگانہ شئے کو اپنا آپ دے بیٹھتے ہیں

اُسی وقت حقیقت سے فرضی معنوں میں جدا ہوجاتے ہیں اور جب ہم اُس شے سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں تو فوراً حقیقت سے واصل ہوجاتے ہیں، اب جیسے فراق بھی فرضی ہے ویسے ہی وصل بھی فرضی ہے جیسے کسی آدمی کو اپنا پھول گرجانے کا خیال پیدا ہوگیا اور وہ اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگا، اسی جستجو میں کسی نے آکر کہا کہ وہ پھول تو تمھاری پگڑی میں ہے جبکی تم کو جستجو ہے، یہاں پر کوئی حقیقی فراق یا وصل نہیں ہے، چیز ہستی میں تو موجود ہے لیکن علم میں دُور ہے، فراق کہاں ہے علم میں پس وصل کہاں پر ہے علم میں حقیقت میں نہ کچھ آتا ہے اور نہ کچھ جاتا ہے، آپ دن بھر سانس لیا کرتے ہیں لیکن بیرونی محویت کی وجہ سے آپ اُس کو محسوس نہیں کرتے ہیں اور جب کوئی آپ کو آپ کے تنفس کا خیال دلاتا ہے تو اُس وقت آپ اُسکی موجودگی کو محسوس کیا کرتے ہیں تو کیا اِس کے یہ معنی ہیں کہ اس علم سے پہلے تنفس ہی مفقود تھا اگر ایسی ہی بات ہے تو زندگی کے دوسرے معنی کون سے ہوسکتے ہیں؛

آپ کے سامنے ایک قطرہ ہے جو کہ اپنے وجود میں سوائے آب کے اور کچھ نہیں، پانی کو کسی وجہ سے اپنے میں اُس محدودیت کا خیال پیدا ہوگیا اور اپنے آپ کو محض اسم اور گول گول صورت سمجھنے لگا، آب اپنے اِس علم میں پانی

سے کوسوں دُور پڑا ہے،

مہر سرگشتہ آفتاب کجاست　　آب ہر سو دواں کہ آب کجاست

آب کا فراق آب ہی کا ایک علم غیر ذات کا ہے اور کچھ نہیں، اسم و صورت کا ظہور، وجود، قیام، فنا، آنا جانا کس سے ہے پانی کے علم سے یہ تمام ظہور اُس کے علم سے قائم ہے جس کو اپنا علم نہیں ہے، آب عین وصل میں فراق کو دیکھتا ہے عین گل میں خار کو دیکھ رہا ہے، عین نجات میں بندھن کا قائل بن رہا ہے یہ تعیّن اُس کا ایک علم ہے اور یہ علم اُس کو اُس کی ہستی سے فرضی جدا سا کر رہا ہے، آفتاب میں تاریکی نظر آرہی ہے، برف میں گرمی کا ظہور ہو رہا ہے "حقیقت" میں ظہور عالم ہو رہا ہے، اب ایک معنی میں یہ فراق لاانتہا ہے بڑا مضبوط ہے لیکن دوسری صورت میں عدم محض ہے اور کچھ بھی نہیں، مگر جب پانی کو اپنے باطن کی طرف مخاطب ہونے کا موقع ملتا ہے تو اس وقت اپنے میں سوائے پانی کے اور کچھ نہیں دیکھتا عین وصل ہی سمجھتا ہے، گویا حقیقی وصل کبھی جدا ہو نہیں سکتا، فرضی فراق سے فرضی وصل کا لطف اُٹھایا جاتا ہے

ناتخؔ　　ظہورِ صورتِ باقی کو وہ آیا فنا بنکر　　مزا ہستی کا لیتا ہے گُل و بلبل جدا بنکر

بقول شخصے　　اپنے دھوئیں میں آپ ہی شعلے نہاں رہے　　پوشیدہ خط میں جوہر حسن بتاں رہے

بھگوان رام جی ایک دن جنگل میں بیٹھے ہوئے تھے، شری سیتا جی پھولوں کا ہار لیکر آئیں، مہاراج انکے اس پار پریم کو دیکھکر گدگد ہو رہے تھے، اتنے میں بھگوان کسی ایسی اوستھا میں چلے گئے جہاں پر کہ بیرونی اوستھا کا ذکر تک بھی نہ تھا، اور وہاں پر اُس آنند کو جو کہ بیحد ہے انبھو کرنے لگے اور جب بیرونی ظہور کیطرف مخاطب ہوئے تو شری سیتا جی نے کہا کہ مہاراج میں تو آپ کے لئے پھولوں کا ہار لیکر آئی تھی اور آپ سمادھی میں چلے گئے تھے اسیوجہ سے میں نے آپکو پہنایا نہیں ہے آپ کرپا کرکے پہن لیجئے،
بھگوان رام جی اس وچتر اوستھا کو دیکھکر کہنے لگے کہ آنند کا بھنڈار تو میرے اندر ہی ہے سیتا جی تو محض مجھے اُس تک پہونچانے کا ذریعہ بن گئی تھیں،

آتما کے اوصاف نیتہ اور پورن ہیں اُن میں کمی نہیں آسکتی محض لیلا ماتریہ کمی ہے، یہ بیرونی نظر کا نتیجہ ہے،

اس لئے ہم ہر وقت اُس اصلیت سے ایک ہیں اُس سے ملے ہوئے ہیں، لیکن تماشہ یہ کہ اِتنی نزدیکی میں بھی اس قدر دوری ہے، اگر ہم ایک سیکنڈ کے لئے تمام پورانی نمائش سے فارغ ہو سکیں یعنی تمام تخیلات کے تلاطم سے جُدا ہو سکیں تو ہم اُس Real rest یا حقیقی سکون کو محسوس کر سکتے ہیں جو کہ ہر وقت ہمارے اندر موجود ہے۔

اے راجہ! تم وہ ہو جو کہ تمام بیرونی عالم کے ہونے اور نہ ہونے کو سمجھتے ہو،
تم تو ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پانوں دھرتے دھرتے برہم پر پہنچنا
چاہتے تھے، یہاں تو کبھی جدائی ہی نہیں ہوئی ہے،

ناتھ اندرون سینہ ات ہردم وصال ہستیم پس نمودِ ہجر گویا شد برائے قیل و قال

اب ہمارے دل کو لیکر لیلا میں مشغول ہو جاؤ، اس سے کھیلتے جاؤ،
اس کا تماشہ دیکھتے جاؤ، آؤ اب میں مفصل طریقے سے کچھ باتیں بتاتا ہوں،

(سوامی ہری اوم)

گر تو داری در دلِ خود عزمِ رفتن سوئے دوست
یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے در کوئے دوست
پائے چپ بر نفسِ خود نہ بر درِ او پائے است
سر بنہ بر پائے جاناں تا بہ بینی روئے دوست
رہ نوردانِ محبت را پیام از ما رساں
کاندریں رہ یک قدم از خود گذشتن منزل است

اس لئے جب ہم اپنا اہنکار اُس حقیقت کے آگے چڑھا دیتے ہیں تو
ہم فارغ ہو جاتے ہیں۔ ع

مرا کہ ذات نہ باشد صفات کے باشد

یہ پانچویں قسم کے مہاتما من ہونے کی وجہ سے جزوی خیالات تو رکھتے ہیں
لیکن تمام خواہشات، جذبات، خیالات کو محض اُس ارادۂ ازلی اور کامل کے آگے
قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف — بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

یہ 'اپنی' 'میں' تو ضرور رکھتے ہیں لیکن اُس کا قیام محض اُسی 'تُو' سے سمجھتے ہیں'
یہ اشخاص ہر وقت اور ہر جگہ اُسی ایک حقیقت کو محسوس کرتے ہیں ؎

ز فرش تا بفلک ہر کجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

Devotion

Take my flesh to feed your dogs if you choose.
Water your garden-trees with blood if you will,
Turn my heart into ashes, my dreams into dust —
Am I not yours, O Love, to cherish or kill ?

Strangle my soul and fling it into the fire!
Why should my true love falter or fear or rebel ?
Love, I am yours to lie in your breast like a flower,
Or burn like a weed for your sake in the flame of bell.

Sarojini Naido

گویا ایسے اشخاص اپنے چاروں طرف اُس خوبصورتی کے سمندر کو دیکھ کر اپنا آپ اُس کے آگے چڑھانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، سچا پریم تو اپنا آپ اپنے پیارے کے آگے چڑھایا ہی کرتا ہے، پروانہ شمع سے کیا لیتا ہے؟ اپنا آپ اُس کو دے کر فارغ ہو جاتا ہے

نابود شدم بود نمی دانم چیست ٭ اخگر شدہ ام دود نمی دانم چیست
دل دادم و جاں دادم و ایماں دادم سوداست دگر سود نمی دانم چیست

ایسے مہاتما ہر وقت اُنکی اچھا کا خیال رکھتے ہوئے ہر ایک چیز کو اُس کا بھیجا ہوا سمجھ کر اُس کے آگے اپنی خواہشات کو چڑھا دیا کرتے ہیں، ان کو کسی سے راگ اور دویش نہیں رہتا، حضرت سرمد صاحب کا جسوقت گلا کاٹنے کے لیے جلّاد آیا تو آپ فرمانے لگے

بیا بیا فدائے تو شوم بیا بیا

جب سر کٹ جاتا ہے تو یہ آواز تھی

سر جدا کرد از تنم شوخیکہ با ما یار بود قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

ایسے اشخاص کو ہر وقت اُس سے ملنا ہے نہ کہ اُس کو اپنے سے ملانے کی کوشش کرنی ہے، یہ کہتے ہیں میری دمیں، تو چھوٹی سی ہے اور تیری "تو" لا انتہا ہے،

یں جدھر دیکھتا ہوں ہر ذرّہ مجھے "تو" ہی نظر آتا ہے، کیونکہ میری 'میں' کی نسبت سے سب کچھ "تو" ہے اور میں کو جب اس وجود میں ڈھونڈھنے کی کوشش کرتا ہوں تو اس کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا، اس لئے اے 'کامل تُو' یہ میں بھی تجھ ہی سے ہے، یہ "میں" ایک مدت تک اپنے کل سے علیحدہ رہ چکی ہے، اس کے سینہ میں لاانتہا آگ ہے جو کہ بغیر تجھ سے ملے ٹھنڈی نہ ہوگی، اس لئے اے دیا کے سمندر! اے کرپا ناتھ! اس میں کو بھی سنبھال کیونکہ میں قطرہ کو سمندر میں کب تک لاتا رہوں گا، میں اس قطرہ کو ہی سمندر میں پھینک دیتا ہوں، میں تجھ سے ہی مل کر پورن ہو سکتا ہوں ؎

بقول شخصے

اشعار

اے زندگیِ تاب و توانم ہمہ تو — جانی و دلی اے دل و جانم ہمہ تو

تو ہستیِ من شدی ازانی ہمہ من — من نیست شدم بر تو ازانم ہمہ تو

در مملکتِ وجود فرمان از تو — آرام دلِ بے سروساماں از تو

مارا بہ دوائے درد دل کارے نیست — دل از تو و درد از تو و درماں از تو

ایسے مہاتماؤں کو پختہ یقین ہے کہ 'وہ' ہے اور عین رحم ہے، عین علم ہے، اس کی کوئی حرکت بھی خالی از مطلب نہیں ہو سکتی ہے ہم خواہ بوجہ محدود نظر ہونیکے

سمجھ سکیں یا نہ سکیں وہ پورا ہے اُس میں کوئی کمی نہیں
وہ خوبصورتی کی شمع ہے ہم اُس کے پروانے ہیں ہمیں ہر وقت اُس کے
لئے مٹنے کو تیار رہنا چاہیئے۔

یہ ہمارا سب کچھ بھی تو اُسی کا ہے، اگر وہ ان کو لینا چاہتا ہے تو ہمیں انکار
کیوں ہو، یہ سب کچھ اُسکی امانت ہے، اگر ہم خوشی سے اُسکی چیزوں کو اُس کے آگے
رکھنے کے لئے تیار رہیں گے تو ہمارا اعتبار بنا رہے گا، ممکن ہے آیندہ کے لئے
وہ ہمارے پاس اور بھی کوئی چیز رکھنے کو تیار ہو جاوے اس لئے بہرحال ہمیں
اُسکی اچھیا کے ساتھ ساتھ چلنا ہے!

Christ جس وقت کہ اُن کو صلیب دی جاتی ہے اُس وقت اُن کے
الفاظ تھے۔ O Lord, if it be possible let this cup pass away from me.

لیکن حقیقی شمع کا پروانہ فوراً ہی اپنی ازلی سرشت
سے اِن الفاظ پر بھڑک اُٹھا اور کہا کہ نہیں Let thy will be done, O Lord!

گویا اُس حقیقت کے ساتھ خود مٹ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ غیریت دور ہو گئی اور اپنا آپ

چھوڑ کر کل ہیں پل گئے،

اب جس کا علم کامل ہے کہ وہ لامحدود ہے Omnipresent ہے
ہمہ داں ہے، عین رحم ہے، اُسکی فطرت میں سوائے رحم کے اور کچھ نہیں، اور وہ
عین خوبی ہے، کیونکہ اگر ہم غلام ہیں اور وہ مالک ہے تو بھی اُسکا اپنے غلاموں
پر ہر وقت رحم ہی ہوگا،

از بندہ پروری و نوازش بعید نیست شاہاں اگر نگاہ بسوئے گدا کنند نیاز
اگر وہ پتا ہے اور ہم پتر تو بھی اُس کے دل میں سوائے رحم کے اور کچھ نہیں ہو سکتا،
اگر وہ ہی وہ ہے تو بھی وہ کس پر سختی کر سکتا ہے، لیکن لبسا اوقات اُسکی کرپا ایسی
شکل میں ظاہر ہوتی ہے کہ جس کو ہم سختی کے نام سے نامزد کر بیٹھتے ہیں،

از حق جز حق نہ روید باید

ایسے اشخاص کو چاروں طرف سوائے اُس حقیقت کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا
پس جدھر کو بھی دیکھتے ہیں اپنے دل میں سوائے محبت کے اور کچھ نہیں پاتے،
کیونکہ خوبی کے سامنے عشق کا ہونا ایک لازمی امر ہے، ایسے مہاتماؤں کا مطلوب
لاانتہا ہے اور لاانتہا حُسن رکھنے والا ہے، یہ جدھر کو بھی دیکھتے ہیں ایک خاص
پوشیدہ یا ظاہر Beauty کو ہی محسوس کرتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی

محبت بھی لاانتہا ہو جاتی ہے، اب لاانتہا محبت سے لاانتہا حسن کا لُطف اُٹھاتے ہیں، لیکن سیاہ بالوں اور شمشیر ابرو تیر مژگاں وغیرہ کو بھی حسن کی ہی ایک تصویر سمجھتے ہیں یعنی اِن کی آنکھ میں کانٹا تو ہے لیکن اُس کے پردہ میں بھی حُسن موجود ہے یہ سیاہ بالوں کو چہرہ کی زینت سمجھتے ہیں،

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن　　دِل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن
سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن　　گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

مہاتما نامدیو جی ایک دِن بھگوان سے گھوڑا مانگ بیٹھے، دوسرے ہی دِن بازار میں ایک پٹھان بڑا ہی خوبصورت چھوٹا سا گھوڑا لیے چلا جارہا تھا، اُس نے نامدیو جی کو دیکھتے ہی آواز دی اور کہا کہ آؤ، آؤ، اِدھر آؤ، نامدیو جی نے جس وقت گھوڑے کو دیکھا تو بہت ہی خوش ہوئے کہ ہمارا رام بڑا ہی کرپالو ہے، بہت ہی جلد سُن لیتا ہے، رات ہی کو گھوڑا مانگا تھا آج دے بھی دیا، لیکن اِتنا قیمتی گھوڑا مجھے کیا کرنا تھا، کسی معمولی گھوڑے سے بھی کام چل سکتا تھا صرف کچھ کپڑے وغیرہ ہی لادنے کی ضرورت پڑتی ہے یا کبھی بہت تھک کر چڑھ جانا بھی ہو سکتا ہے، لیکن بھگوان کون سے غریب ہیں اُن کے پاس کیا نہیں، اُن کی کرپا کا لاانتہا بار شکریہ ہے، اِتنا کہہ کر آگے بڑھے اور پٹھان نے اُس چھوٹے سے گھوڑے کی رسّی نامدیو جی کے

ہاتھ میں دے دی، اُنھوں نے بخوشی تمام اُس رسّی کو لے لیا اور اُس کو لیکر گھر کیطرف مُڑنے ہی لگے تھے کہ پٹھان نے ایک چابک رسید کیا کہ کہاں جاتے ہو، نامدیوجی حیران ہو گئے کہ کس غلطی کے عوض میں یہ مار پڑ رہی ہے، فرمانے لگے کہ مہاراج! آپ نے گھوڑا مجھ کو دیا ہے میں اس کو لئے ہوئے گھر کو جا رہا ہوں، پٹھان اس بات کو سُن کر بہت ہی ناراض ہوا کہ تو کون ہے جو میں تجھ کو ایسا قیمتی گھوڑا دیدوں، میرا تو رسّی دینے سے یہ مطلب ہے کہ اس کو سر پر اُٹھاؤ یہ بہت سفر کر کے آیا ہے اسکو بہت تکان ہے، یہ چلنے کے قابل نہیں ہے اس کو وہاں تک چھوڑ آؤ اور پھر تم چلے جانا، نامدیوجی کہنے لگے کہ آپ اپنا گھوڑا لے لیجئے میں اس کو اُٹھا نہیں سکتا، پٹھان نے پھر چابک لگایا تو نامدیوجی کو چار و ناچار اُٹھانا ہی پڑا، اب ایک تو فاقوں کی بھرمار اور دوسرے جسم میں خون نہیں، سوئم بوجھ کا سر پر ہونا اور تس پر چابک پر چابک لگنے ایک عجیب نقشہ رونما تھا،

لیکن نامدیوجی ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی کچھ اِس طرح بول رہے تھے کہ "واہ بھگوان! آپ کی میٹھی مار، آپ کے سُندر چابک، آپ کا دیا ہوا پھول جیسا بُوجھ کتنا ہی دلکش اور عمدہ ہے

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ﴿ جواب تلخ مے زیبد لب لعلِ شکر خا را — خواجہ حافظ

گالی تو دی سوال پہ اُس نے ہزار شکر   دست سوال جادۂ راہِ سخن ہُوا،

یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ گھوڑا سر کے لئے کس نے مانگا تھا

مجھے تو اُس پر چڑھنے کی ضرورت تھی،

غور فرمائیے! تمام باتوں میں سوائے مشاہدۂ ذات کے اور کچھ نہیں، اُنکی نظر میں

پٹھان کے اندر حرکت دینے والی اور گھوڑے کو سر پر لادنے والی طاقت ایک ماتر

بھگوان ہیں،

ایسے اشخاص کے لئے کوئی اور کہیں مخالفت نہیں، پس ان کے لئے تلوار

اور پھولوں کا ہار برابر ہے، سونا اور مٹی برابر ہے، مجنوں کو لیلیٰ سے تعلق ہے، پیالے کے

ٹوٹنے اور بھرنے سے کوئی تعلق نہیں،

اِن کی نظروں میں ہر جگہ رام ہے، پس اِن کے لئے ہر وقت آرام ہے،

یہ کہیں مخالفت کو نہیں دیکھتے بلکہ اُس حسن ازلی کی تجلیات کو ہی محسوس

کرتے ہیں، اس لئے اِن کے دلوں میں ہر ایک کے لئے محبت ہے، چونکہ اِن کے

دِلوں میں ہر ایک کے لئے محبت ہے اِس لئے اِن کا سینہ ہر وقت سرور سے لبریز

ہے۔

ادھم ششم

۱۳۳

اُوم

حُسن کی تصویر

شروع میں ایک تھا، اور وہ پُورن تھا، ہر نقص سے پاک تھا، لامحدود تھا، عین علم اور عین سرور تھا، اُس کی اچھیا سے یہ عالم ظاہر ہوا، اُسی سے قائم ہے، اُسی سے مِٹ جائے گا،

وہ پُورن تھا اِس لئے اب بھی پورن ہے، وہ ہر نقص سے پاک تھا، اس لئے اب بھی ہر نقص سے پاک ہے، وہ لامحدود تھا، اب بھی لامحدود ہے، یہ ظہورِ عالم کیوں، کیسے اور کس طرح ہوا، اِس سے وہی واقف ہو سکتا ہے جس سے کہ یہ سب کچھ ظاہر ہو رہا ہے، بہر حال وہ لامحدود ہے،

ذرۂ نیست کہ آں لافِ اناالحق نہ زند   تو عیاں شنو از و اگر چہ نہاں می گوید

نیاز صاحب

عینِ ہستی خود توئی پس از تو چوں منکر شویم   حجّتِ ہستی تست ایں ہستیٔ انکارِ ما

بجز او نیست در سرائے وجود   بہ حقیقت دِگر کسے موجود

ہمارے سامنے دنیا اختلاف اور کثرت سے بھری ہوئی موجود ہے' اس کے پردہ میں کوئی وحدت ہے یا نہیں، یہ ایک سوال قابل غور ہے' اختلاف اور کثرت کیا چیز ہے' چاند ہے' سورج ہے' ستارہ ہے' زمین ہے' آسمان ہے یہ ہے' وہ ہے گویا ہر چیز اپنے اظہار کے لیئے 'ہے' کی محتاج ہے' تمام کثرت میں ایک وحدت موجود ہے' ہر شے میں پیارا اپنا چہرہ دکھا رہا ہے' کوئی چیز بھی بغیر 'ہے' کے قائم نہیں ہوسکتی، یہاں تک کہ نیستی کا اظہار یا اقرار بھی 'ہے' اسے ہی ہوسکتا ہے۔

اب غور کیجئے ؎

عین ہستی خود توئی بس از تو چوں منکر شویم　　حجّت ہستی تست ایں ہستی اِنکارِ ما

جو شخص ہستی مطلق سے انکار کرتا ہے وہ دوسرے معنوں میں اپنی نادانی کا اعتراف کر رہا ہے کیونکہ 'وہ' ہے نہیں، سوال کون ہے نہیں ؟ جواب 'وہ' یعنی 'ہے' ہے نہیں (س) اس انکار کا ظہور کس میں ہو رہا ہے' ہستی میں یا نیستی میں، اگر ہستی میں کہیں تو پھر انکار کس سے' اور اگر نیستی میں کہیں تو نیست کا معلول سوائے نیستی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ پس 'ہے' سے انکار کرنا آفتاب کو تاریک قرار دینا ہے' یا یہ کہنا ہے کہ میرے مُنہ میں زبان

نہیں یا میں نہیں، یا میں سو یا پڑا ہوں، یا میں مردہ ہوں، اس لئے یہ 'ہے' اس قدر عیاں ہے کہ اس کے لئے کسی دوسری دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں، مصرعہ آفتاب آمد دلیل آفتاب، یہ 'ہے' روشن تر از آفتاب ہے' یہ یہاں تک عُریاں ہے کہ کوئی پردہ اس کو ڈھانپ نہیں سکتا، پس 'ہے' سے انکار کرنا ناممکنات میں قدم کا ڈالنا ہے، سوال دوسرا یہ ہے کہ یہ 'ہے' محدود ہے یا لامحدود؟
اس کا جواب صرف اتنا ہی کافی ہے کہ جب نہیں بھی بغیر ہے کے موجود نہیں ہو سکتی تو 'ہے' محدود کیسے ہو سکتی ہے اور کس کی حدیں گرفتار ہو سکتی ہے، جو چیز بھی اس کو محدود کرے گی وہ بھی ہستی سے خالی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے 'ہے' لاانتہا اور نامحدود ہے "لامحدود ہے"، صرف ایک ہی ہو سکتی ہے دو نہیں کیونکہ دو میں امتیاز پیدا کرنے والا بھی 'ہے'، کے اندر ہی ہو سکتا ہے،

دیکھئے آپ کے سامنے ایک انگشتری ہے، اس کو توڑا اور کڑا بنا دیا، اب آپ کہتے ہیں یہ کڑا ہے زنجیری ہے، پازیب ہے، گلاس ہے، وغیرہ وغیرہ، انگشتری کڑے کی صورت میں نہیں کڑا زنجیری کی شکل میں نیست ہے دوسری چیز تیسری میں نہیں ایک میں دوسری کا عدم پایا جاتا ہے، لیکن اس تمام

تبدیلی کے اندر لاتبدل جوں کی توں پورن ایکرس کون سی چیز ہے ؟ 'ہے' انسانات، حیوانات، جمادات، اجسام ارضی اور اجرام فلکی تمام میں یہ 'ہے' موجود ہے، جہاں پر یہ 'ہے' نہیں وہاں پر کچھ نہیں بلکہ ایسی کوئی جگہ ہی نہیں جہاں یہ کہ 'ہے' نہیں،

جمادات میں حیوانات نہیں، حیوانات میں انسانات نہیں، زمین میں آسمان نہیں اور آسمان میں زمین نہیں، آپ میں میں نہیں اور مجھ میں آپ نہیں لیکن اس تمام اختلاف میں رشتۂ وحدت 'ہے' موجود ہے، گویا تمام عالم 'ہے' کے اندر ہے اور 'ہے' تمام عالم کے اندر ہے، اس 'ہے' کو تلوار نہیں کاٹ سکتی آگ نہیں جلا سکتی وغیرہ وغیرہ کیونکہ تمام اشیا اپنے قیام کے لئے خود 'ہے' کی محتاج ہیں،

کیا تماشہ ہے کہ 'ہے' سب اشیاء میں موجود ہے، اور سب 'ہے' میں موجود ہیں،

عاشق و معشوق، طالب و مطلوب، قاتل و مقتول، گل و خار، بحر و بر، خویش و اقارب، دوزخ و بہشت، نشیب و فراز سب میں 'ہے' موجود ہے، اس 'ہے' پر مختلف اشکال کا ظہور ہوتا ہے، رہتا ہے اور بگڑ جاتا ہے،

لیکن اس میں کچھ فرق نہیں آتا بغیر کمی و بیشی کے ہے، اگر 'ہے' کو گہری نظر سے دیکھا جائے
تو سوائے 'ہے' کے اور کچھ ہے ہی نہیں کیونکہ جو کچھ ہے وہ سب 'ہے'

اے خدا جویاں خدا گم کردہ اید ÷ گم دریں امواج قلزم کردہ اید

پاس کھڑا نظروں میں نہ آوے ایسا رام ہمارا رے،

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہو — صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

God is every where.

بے حجابی یہ کہ ہر ذرّہ میں جلوہ آشکار — اور پردہ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

یہ ایک مسلمہ امر ہو چکا ہے کہ 'ہے' سارے ہی موجود ہے، اس میں سب کا ظہور قیام اور فنا ہے، بلکہ ظہور، قیام اور فنا کا قیام بھی اسی 'ہے' سے ہے یہ **Unity** تمام **Diversity** میں موجود ہے، یہ اختلاف عین رشتۂ وحدت ہے، یہ انیکتا میں ایکتا ہے،

اب اگر اس لامحدود 'ہے' کو کسی خاص شکل میں دیکھنا چاہیں تو وہ صورت ضرور کسی اور صورت سے علیحدہ ہو کر ہی رہ سکتی ہے اس لئے کسی خاص تخیل میں بندھی ہوئی 'ہے' کے لیے جستجو اور تلاش لازمی ہے، کیونکہ ہمیشہ محدود ہستی کہیں پہ ہو سکتی ہے اور کہیں پر نہیں، لیکن بغیر تخیل یا صورت کے 'ہے'

ستر تر سارے ہی موجود ہے اور اِس قدر بھر رہی ہے کہ کسی غیر کے لئے جگہ کا ملنا مشکل ہو رہا ہے ۔

تانتنک چھدر نہیں وچ تیرے جتّھے گکھ نہ اِک سماوندا اے
ڈھونڈ دیکھ جہاں وے ٹھور کتھے ان ہنڈرا نظر ہی آوندا اے
جویں خواب دا خیال ہے ستیاں نوں طرح طرح دے روپ کھاوندا اے
بلّھا شاہ نہ تجھ تے کجھ باہر تیرا بھرم تینوں بھرماوندا اے ،

لیکن جب ہم 'ہے' کو آنکھ سے پکڑنا چاہتے ہیں تو عالم نمودار ہو جاتا ہے ، اور 'ہے' ، آفتاب ، ماہتاب ، ستارگان ، زمین ، آسمان ، من و شما کے پردہ میں چھپ جاتی ہے اور پھر بھی اپنی ہستی کا پورا اقرار کرتی ہے ، عجیب تماشہ ہے کہ اتنی موجودگی پر بھی تخیل کے پردہ میں نہیں آسکتی ، دیکھی نہیں جاتی ، پکڑی نہیں جاتی ، اور پھر ہے ، محض اسکا احساس ہی ہو سکتا کہ 'ہے' ہے فنا سے بالاتر بلکہ فنا اور بقا دونوں کو قائم کرنے والی یہ 'ہے' ہی تو ہے ،

یہ 'ہے' ، ایک تو لا محدود اور دوسرے لا تبدّل اور سوم فنا سے مبرّا ہے ، عالم اِس سے جُدا ہے یا مِلا ہوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں ، حباب آب میں ہے یا نہیں کچھ کہا نہیں جاتا ، ہے اور پھر نہیں ، نہیں اور پھر ہے ۔ بہر حال ؎

آپ میں ڈھونڈے سے ہرگز بلبلا ملتا نہیں   اور گر ملتا بھی ہے تو وہ جدا ملتا نہیں ناتھ

اے عاشقاں اے عاشقاں من باشما ہر جاستم نیاز

ہم جلوہ گر در دیدہا ہم مضمر دلہاستم

اب یہ 'ہے' قدیم ہی ہوسکتی ہے کیونکہ 'ہے' کا آغاز نیستی سے تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ نیستی خود اپنے اظہار کے لئے اِس 'ہے' کی محتاج ہے، لیکن عجیب طلسم ہے کہ 'ہے' اس قدر ظاہر ہونے پر بھی بیان سے باہر ہے' حواسوں سے پکڑی نہیں جاتی اور عقل سے سوچی نہیں جاتی کمال عریانی سے پوشیدہ ہو رہی ہے (نتیجہ) یہ 'ہے' لا انتہا لا محدود، فنا اور بقا سے اوپر، آغاز اور انجام سے منزّہ سب کا محل اور سب سے مستغنی ہے ع

اے غنی ذاتِ تو از انکار و از اقرار ما

ہمارے اقرار اور انکار سے مطلقاً لا پرواہ، عالم کا قیام اِس سے ہے اور اِس 'ہے' کا ظہور عالم سے ہے کیونکہ 'ہے' اپنے اظہار کے لئے ضرور کسی چیز کو جو کہ حواسوں کے سامنے آسکے رکھتی ہے اور اس پردہ سے ظاہر ہوتی ہے'

ع برعکس رسم ایں جہاں در پردہ می باشم عیاں +

آفتاب کب عُریاں ہوتا ہے جبکہ زیرِ ابر ہوتا ہے' اِس کے بغیر اپنی عریانی

میں ڈھنپا رہتا ہے، اسی طرح یہ 'ہے' بغیر کسی اسم وصورت کے پردہ کے پردہ
میں ہے اور اس حجاب اسم وصورت سے ظاہر ہوتی ہے،

بے ابر شکل ست تماشائے آفتاب — صائب نظارۂ رخ او در نقاب کن

پس وجود کائنات یا اسم وصورت 'ہے' کے لئے ذریعۂ عریانی ہے ورنہ بغیر اس کثرت کے عالم ومعلوم گم میں پس 'ہے' کا اظہار کسی پر کیسے ہو سکتا ہے جبتک کہ اسم وصورت سے غیریت قائم نہ ہو اور عالم ومعلوم کا ظہور نہ ہو،

آپ اپنا آئینہ بن آپ پر ہے مبتلا — آپ اپنے سے ملا اور آپ اپنے سے جدا
غیر رکھتا ہی نہیں پر غیر کا منبع ہے وہ — اپنی ہستی میں ہے خود ہی علّتِ اغیا کیا
آپ اپنی بیخودی میں علّتِ عالم ہوا — اور حیراں دیکھکر ہے نقشۂ عالم کو کیا
آپ اپنے علم کو لایا بشکلِ غیر علم — اور اس ناآگہی میں آپ ہی ظاہر ہوا
کسکے پردہ نے چھپایا رخِ دریا اس طرح — جو نمایاں ہی نہیں دریا یہ چہرہ آب کا
بن کے ساغر اور مینا پردۂ بادہ بنا — آپ اپنے آپ میں پوشیدگی طرفہ ہے کیا
کون کرتا ہے بیاں اور کسکو کرتا ہے بیاں — آپ اپنے ہی بیانوں سے ہوا ظاہر کیا۔
گرچہ اشکال گوناگوں ہیں سب غیر وجود — پر حقیقت میں نہیں ان سے ہے غیریت ذرا
اپنا ہی معلوم کر کے علم، خود عالم بنا — یعنی موجوں سے ہو اپنی موج میں کھیلتا

دیکھکر صورت کو اپنی چہرۂ معشوق میں عشق کے جلوہ کا مظہر عاشق شیدا ہی کیا
الغرض جو کچھ نمایاں ہے یہاں معلوم بن عین عالم کا وجود علم ہے ہر سو بپا
کچھ نہیں غیر حقیقت ایک ہے باقی یہاں
آپ ہی قدرت میں اپنی ناتھ وہ قادر چھپا

این ظہور صورت عالم مثال آئینہ می نماید صورتم را با نمود خط و خال ناتھ

اب اسم و صورت کا ظہور ہے، یہ کس طرح ہوتا ہے' اس کا حقیقی علم صرف ہے' کو ہی ہو سکتا ہے اور نہ اس کے جاننے کی ضرورت ہے، ہمیں تو آفتاب سے روشنی لینی ہے نہ کہ اس بات کے پیچھے پڑے رہنا ہے کہ یہ کیسے اور کیونکر ظاہر ہو رہا ہے

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمہ را خواجہ حافظ
آپ بھلا کرتوت ات نیکی آپے جانے اپنے جیہ کی سکھ منی

لیکن کل اختلاف کے اندر یہ 'ہے' رشتۂ وحدت ہے' ہم سب اس میں ایک ہیں جیسے دائرہ بغیر مرکز کے قائم نہیں ہو سکتا ہے ویسے کوئی بھی ہستی بغیر اس 'ہے' کے موجود نہیں ہو سکتی ہے' یہ ہے لا انتہا لا تبدل فنا سے منزہ ہے۔

سوال ہے، کا وجود تو دیکھنے میں آرہا ہے لیکن اس میں ،علم، اور ،سرور، کا وجود تو قائم نہیں ہوتا ہے، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ ،ہے، کوئی اور ہے، اور علم اور سرور کسی اور جگہ پر پوشیدہ ہے،

جواب - آپ کے اندر ایم - اے - کا علم موجود ہے، لیکن آپ ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلی جماعت والے کے لئے محض اُسی قدر علم کا ظہور کرتے ہیں جسقدر کہ اُس کو ضرورت ہے، انگریزی والے کو انگریزی اُردو والے کو اُردو پڑھاتے ہیں، یعنی مختلف طالبعلموں کے سامنے مختلف طریقوں پر اظہار علم کیا جاتا ہے لیکن آپکا علم ہر وقت کامل ہے، اس میں اس ظہور کم وبیش سے کچھ فرق نہیں آتا ہے،

اسی طرح وہ لا انتہا ہستی یا ہے، علم و سرور سے لبریز ہے لیکن کائنات کو قائم رکھنے کے لئے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے، جمادات کی خاموش زندگی محض ہستی کا اظہار کرتی ہے، حیوانات کی لائف میں ظہور علم بھی ہے اور کامل اشخاص کے قلب میں سرور کا بھی کلّی اظہار کرتی ہے، جیسے آفتاب میں ہر وقت گرمی اور روشنی موجود ہے لیکن ہمارے آنکھ بند کرنے پر گرمی اور کھولنے پر روشنی اور گرمی کا ظہور ہوتا ہے،

مغربی   یک بادہ بیش نیست در اقداحِ کائنات   زاقداحِ بادہ مختلف آثار آمدہ

تعینات کی وجہ سے اس کا ظہور ہو رہا ہے، جیسے پانی کی بوند، آنکھ میں آنسو
اور صدف میں موتی، پھول پر شبنم اور گرم توے پر بخار کی شکل اختیار کرتی ہے،
ویسے ہی یہ ایک حقیقت مختلف تعینات سے اختلاف کا باعث نظر آتی ہے،
لیکن اپنی ذات میں جوں کی توں لا تغیر لا یزال لا تبدل ہے -

دوئم لا انتہا ہستی کا قیام بھی لا انتہا علم سے ہو سکتا ہے، کیونکہ ہستی کے
جس حصہ سے علم کی علیٰحدگی کر دی جائے گی، وہاں پر دونوں کا وجود گم ہو جائیگا
اگر لا انتہا "ہے" کے قیام کے لئے محدود علم رکھا جاوے تو "ہے" کا اظہار ناممکن ہو جاتا ہے،
اگر لا انتہا "ہے" کے لیئے لا انتہا علم رکھا جاوے تو اس علم کے لئے پھر "ہے" کی ضرورت
پڑیگی اور اس "ہے" اور اُس "ہے" میں فرق قائم کرنا پڑیگا، گویا ایک "ہے" خالی از علم،
اور دوسری "ہے" ذی علم اور تیسری "ہے" لبریز ہستی علم اور سرور انکی علیٰحدگی کے ظہور
کے لئے دیش یعنی مکان کی ضرورت پڑیگی، اور ایک سے ایک کا جدا ہونا ماننا پڑیگا تب پ
تینوں "ہے" میں محدودیت اور تعینات قائم ہو جائیں گے اور ہر ایک "ہے" محدود
ہونے کی وجہ سے کسی خاص خطرہ میں مبتلا ہو جائے گی،

اس لیئے لا انتہا "ہے" ایک ہے اور عین علم ہے، لیکن تعینات نمود کی
کی وجہ سے کسی جگہ پر کسی صفت کو کہیں پر کسی کو ظاہر کرتی ہے -

سوال۔ لیکن اس "ہے" اور "علم" میں سرور کہاں ہے، اس کا جواب بھی وہی ہے کہ تعینات کے اندر تو سرور کلی، قلب عارف کے اندر ہی موجود ہو سکتا ہے جہاں پر کہ اس کا ظہور بھی کامل ہے لیکن باقی مدارج اور منازل میں تو ظہور سرور محدود حالت میں ہوتا ہی رہتا ہے اور تعینات سے پاک ذات کے اندر غم کا آنا ہی محالات سے ہے کیونکہ "ہے" کا علم فنا سے پاک اور غیریت سے منزہ ہے، اس لئے عین علم اور عین سرور ہے۔

"نتیجہ" یہ "ہے" عین علم اور عین سرور ہے،

تمام کائنات اس "ہے" کے اندر اس "ہے" کے علم سے ظہور سرور کے لئے قائم ہے،

ناتھ شاد باش اے قطرۂ بیتاب از مہجوریم — چوں نمودِ ہجر کردم بہرِ احساسِ وصال

اب ہم کس میں ہیں، کس کے تخیل، کس کے علم میں ظاہر ہو رہے ہیں، محض اُسی ایک ہستی کے علم میں، اس لئے ایک طرف تو ہماری جیسی سنجستہ چیز کوئی نہیں کیونکہ کلی ہستی کا تخیل ہے اور دوسری جانب ہمارا وجود اُس کے ساتھ کچھ نہیں، کیونکہ اُس کے علاوہ ہم ہیں کچھ نہیں، اس لئے ہمارے چاروں طرف کون سی چیز حقیقی معنوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ہستی، علم، سرور، ست، چت آنند

اگر ہم پانی میں غوطہ لگائیں تو ہمارے اوپر نیچے آگے پیچھے کیا ہو سکتا ہے محض پانی، ہم کہاں ہیں؟ 'ہے' 'میں' اور 'ہے' کہاں ہے 'ہم'، 'میں' 'میں' کا قیام بغیر 'ہے' کے محالات سے ہے اور 'ہے' کا ظہور اس 'میں' سے ہے، 'میں' کے چاروں طرف کیا ہے 'ہے' اور 'ہے' کیا ہے عین علم، عین سرور، تمام عالم اس آفتاب کی ایک چھوٹی سی تجلّی سے بھی بہت کم ہے، تمام دنیا اس بحر بیکراں کے سامنے ایک قطرہ سے بھی کم ہے، ہماری بود و باش اس 'ہے' میں ہے ؎

اے زاہد ظاہر بیں! از قُرب چہ مے پُرسی
او در من و من در وے چوں بُو بہ گلاب اندر

نصیر الدین

یہ 'ہے' بحر بیکراں اور 'میں' اُس کا ایک قطرہ ہے' اس 'میں' کی شان 'ہے' کے ساتھ ہے اُس کے بغیر یہ نیست ہے، 'ہے' کی بیرونی نظر سے اس کا ظہور ہے باطنی نظر میں 'میں' گم ہے 'میں' اُسی 'ہے' کا ایک تعین ہے جو کہ اپنی شان میں پوری اور تعین میں ایک محدود صورت رکھنے والی ہے' یہ 'میں' ایک ایسا نقطہ ہے کہ جس کے اِرد گرد لا انتہا سرور کا خزانہ موجود ہے' لا انتہا ہستی اِس کے ساتھ ہے' لا انتہا علم اِس کے ساتھ ہے،

جب یہ دمیں، اپنے محل اور ہر شے کے محل کو بھول کر محض اپنی نمائش میں
محو ہو جاتی ہے اُسی وقت اس کے سامنے تمام رنج والم کی دُنیا ظاہر ہو جاتی ہے
اور یہ میں کہنے لگتی ہے

ناتھ
چون نسیم صبحدم خواہد مرا برباد کرد | چون نشینم در چمن بر برگ گل لرزان شود
بازوے من قوت پرواز را برباد کرد | در تعین این چنین غلطیدہ ام در حال خویش

لیکن جسوقت اسکی نظر باطن کی طرف جاتی ہے تو ایک لاانتہا ہستی کا نظارہ اسکے
سامنے یوں بول بولتا ہوتا ہے،

ناتھ
موج صرصر می نجنبد پیش اعجاز کمال | کس نیامد در جہان غارتگر اصلیت
پس نمود ہجر گویا شد برائے قیل وقال | اندرون سینہ ات ہر دم وصال ہستیم

کر ترک خودی کی عادت کو اور قطرے سے دریا بن جا
ہو محو ذرا اصلیت میں اور ذرے سے صحرا بن جا

ناتھ
کیا آہوے صحرائی تو جو بھولا ہے یوں نافے کو
کیوں جنگل میں سرگرداں ہے تو اپنا ہی شیدا بن جا

یہ نمودی ہیں، اپنے ظہور میں کسقدر ناچیز اور مٹنے والی چیز ہے
ہاں غلط، آرے غلط، امشب غلط، فردا غلط | اعتبار وعدہاے مردم دُنیا غلط

نسخۂ بینائی دیوان عمر ما مپرس   خود غلط، مضموں غلط، انشا غلط، املا غلط،

لیکن وجود اپنے کمال میں ایک اور پورا ہے۔ اور ہر نقص سے پاک ہے

'میں' ایک جسم میں رہنے والی اوز ہے، کل اجسام اور 'میں' کا بھی محل ہے،

'ہے'، ذی روح، عین بینائی، عین دانائی، عین حُسن، عین محبت، عین رحم ہے، کیونکہ یہ 'ہے' اپنی لیلا یا کھیل میں 'میں' کے بالمقابل یہ اوصاف لیکر سامنے رہتی ہے اور اپنی ذات میں تو صفات کا ہونا اور نہ ہونا دونوں سے مستغنی ہے۔

نتیجہ 'میں' کے چاروں طرف ایک 'ہے' اور وہ عین محبت ہے کیونکہ آپ ہے، عین حُسن ہے، کیونکہ آپ ہے۔

'میں' کی تکلیف کا باعث کیا ہے، کسی مخالفت کا ظہور اور مخالفت کا وجود کسی موافق خیال سے پیدا کیا جا سکتا ہے 'گل اچھا ہے اس لئے خار اچھا نہیں' لیکن جب 'میں' کو اپنے چاروں طرف سوائے 'ہے' یعنی حُسن کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا تو مخالفت کا لفظ بھی لوحِ دل سے معدوم ہو جاتا ہے اور ہر وقت ایک حُسن کی دُنیا میں رہنے لگتی ہے، تمام دُنیا کی محدود خوبی کہاں سے آئی

اُسی لاانتہا خزانہ سے پس اُسکی خوبی کسقدر ہو سکتی ہے -

مغربی ز عشقت زاں زہر مجنوں فزونم　　که در خوبی ز ہر لیلیٰ فزونی

اب پردۂ گُل و خار یار اور اغیار بحر و بر تلوار اور پھولوں کے ہار کے پردہ میں سوائے ایک کے اور کوئی ہے نہیں اور ہم اس قرب مین بھی اُس سے غافل ہیں

ما تشنہ لب و چشمۂ حیوان نفس ماست　　در ویش جہانیم و ہما در قفس ماست

حباب کا قیام محض آب سے ہے خواہ ہم حباب کی صورت میں چھپکر ایک مدت تک آب سے غافل رہیں لیکن ہمارا علم اور جہل حقیقت میں کوئی فرق پیدا نہیں کرسکتا ہے، جو کوئی چیز بھی ہمارے سامنے آتی ہے وہ ہے، کو ساتھ لیکر آتی ہے یا ہے، اُس کو ساتھ لاتی ہے، پس ہر چیز کے ظہور اور رفنا کا باعث کون ہے یہ ہے، اب خار میں خار کی شکل تو نامرغوب ہے لیکن کیا اُس کا اصلی حسن ہے، بھی نامرغوب ہے اگر ہے، اصلی حسن نامرغوب ہے تو مرغوب محض کیا نیستی ہو سکتی ہے اور یہ ہے تو اپنے معنوں میں عین حسن ہے، کیونکہ ذی روح اور غیر ذی روح اسی کی طرف کھچے چلے جارہے ہیں دُنیا میں جد و جہد کا باعث یہی حسن ہے فلسفیوں کے دماغ میں تحریک کا باعث یہی ہے بھگت اسی کے لئے حیران ہیں علما اُسی کو ڈھونڈ رہے ہیں یعنی کتنی یہی حسن ہے

جوکہ ہر ایک کے دل کو کھینچ رہا ہے کون ہے جوکہ ہستی کو پسند نہ کرے، کون ہے جو جاہل رہنا چاہتا ہے، کون ہے جسے سرور کی ضرورت نہیں، تعینات میں اسکی بھولی ہوئی شعاع حُسن کی دُنیا ہے، پس ہماری تمام بے چینی کا باعث حقیقت سے فرضی معنوں میں جُدائی ہے اور کچھ نہیں، اب خار میں ایک تو نمود ہے اور دوسرے وُجود ہے۔ نمود نامرغوب اور وجود مرغوب ہے، پس خار کو سامنے رکھ کر آپ کسکی طرف دیکھینگے، خار کی جانب یا یار کی جانب وہ عشق ہی کیا ہے جو حُسن کو سامنے رکھکر بھی غیر حسن کو دیکھتا ہے، وہ بلبل ہی کیا ہے جو گل کے ساتھ خار کو دیکھ رہی ہے، کیونکہ بُلبُل کے سامنے کانٹا کب آتا ہے یا اُس کے دل مین کانٹا کب چبھتا ہے جبکہ اُسکی نظر پوری پھول میں نہیں ہوتی، اگر بُلبُل کی آنکھ محو گل ہو تو پھر خار کہاں ہے، اس لئے کانٹا کیا چیز ہے محویت کی کمی، بُلبُل کا پھول میں پوری طرح سے محویت کا نہ ہونا ہی کانٹا ہے

گلشنِ گیتی ندارد غیرِ گُل — وہم خود دگر زار خار انیست وبس

جب وجود یعنی حسن آپ کے سامنے ہے اور وہ خار کے پردہ میں رُونما ہو رہا ہے تو آنکھ کا حُسن میں محو ہونا جانا ایک لازمی امر ہے پس خار کہیں نہیں اور دوسرے خار کے پردہ سے تو اُس کو نکالنا ہے۔

کہاں بُلبُل کی آنکھوں میں سمائے پیکرِ دُنیا — تمنائے دلِ بُلبُل نمودِ گلستاں تک ہے
ناطقؔ — صدائے رہبرِ کامل رے کانوں میں نہیں پہونچی — کہ سودائے جہاں کے ہی ابھی دُزباں تک ہے

اور دوسرے چیز تو وہ بُری ہوتی ہے جو کہ حقیقت سے جُدا ہو، کیا سیاہ بال چہرہ کے ساتھ اچھے معلوم نہیں ہوتے، کیا سیاہ تل چہرہ پر زیادہ خوبصورتی کا باعث نہیں بنتا بس خار کس کے ساتھ ہے جو کہ یار ہے اس لئے یار کا یار بھی تو یار ہی ہوسکتا ہے اور خار کو سامنے بھیجنے والا یا لانے والا یار ہی ہے، اُس کا لانا کسی مصلحت کو رکھکر ہے، اِس لئے

اگر تو زخم زنی بہ کہ دیگرے مرہم — وگر تو زہر دہی بہ کہ دیگرے تریاق
غصّہ ترا دوا ہے رحمت تری غذا ہے — شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں

اب "ہے" کا پورے معنوں میں تخیل جو کہ حسن و محبت اور علم و رحمت سے لبریز ہے اگر خار کے پردہ میں ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ خار خار نہیں بلکہ گلزار ہے اور اگر گلزار "ہے" کے تخیل کے بغیر سامنے رونما ہو رہا ہے تو وہ لاکھ خار ہے گلزار نہیں، کیونکہ۔

مرا بے گلشنِ رویت گلِ گلشن کجا آید — بہ از گلشن بود گلخن اگر بوئے زیار آید
ع جنتِ من روے یار و دوری از وے دوزخے

اس لئے اگر تلوار کے ساتھ حقیقت کا تخیل موجود ہے تو وہ پھولوں کا ہار ہے اور اگر ہار کے ساتھ وہ مفقود ہے تو وہ گلے کی پھانسی ہے، یہ حُسن لازوال ہے اس کی محبت لازوال اس کا سُرور لازوال ہے کیونکہ یہ دائمی ہے اور ہر وقت ہے۔

ایک دفعہ شری رادھے جی کو بھگوان کرشن کا ناخن لگ گیا، ایک مدّت کے بعد بھگوان نے جب اُس کو دیکھا تو وہ بدستور ہرا بھرا تھا، حیران ہو کر سوال کیا، کہ رادھے جی یہ کیا ہے؟ رادھے جی نے کہا کہ "مہاراج! کچھ عرصہ ہُوا تو آپ کا ناخن لگ گیا تھا" مہاراج فرمانے لگے کہ رادھے! اتنی دیر تک زخم کے کیا معنی ہیں، ناخن کا زخم تو ایک یا دوسرے دن اچھا ہو جاتا ہے اور یہاں اس قدر عرصے کے بعد بھی یہ ہرے کا ہرا ہے اسکی خاص وجہ کیا ہے، رادھے جی فرمانے لگیں کہ "مہاراج اول تو آپ سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور دوسرے اسکی وجہ پوچھتے ہیں، اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ کو اپنی دی ہوئی چیز کا علم نہیں اور ہو بھی کیوں؟ کیا داتا لوگ کچھ دے کر یاد بھی رکھا کرتے ہیں، اور دوسرے ہمارے لئے اپنے علم کو محدود کرنا تو آپکا شیوہ ہی ہے تو خیر اگر آپ پوچھتے ہیں تو میں اس کے اچھا نہ ہونیکا یا عین

درست ہونے کا سبب بتا دیتی ہوں۔
مہاراج! یہ زخم آپ کا دیا ہوا ہے، میں اس کو ضائع نہیں کرنا چاہتی، جب کبھی یہ زخم بھرنے لگتا ہے تو دل میں یہ زخم پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا بھگوان کی دی ہوئی چیز مجھ سے جُدا ہو جائے گی، میں فوراً ہی اسکو چھیل ڈالتی ہوں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ پھر اپنی اصلی صورت پر آ جاتا ہے اور اس میں درد ہوتا ہے، اور درد کی وجہ سے دل قدرتی طور پر اس میں سما جاتا ہے جسکو کہ باندھنے کے لئے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن آپ کا دیا ہوا چھوٹا سا زخم فوراً ہی اُسکو باندھ لیتا ہے اور اس زخم میں داخل ہوتے ہی یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ زخم کس کا دیا ہوا ہے تو فوراً آپ سامنے آجاتے ہیں گویا اس زخم میں وہ چیز نظر پڑتی ہے جسکی تلاش ہر کس و ناکس کو ہے، یا اِس آئینہ میں آپ سامنے آجاتے ہیں، یا اس جام میں مئے حقیقت لبریز ہو جاتی ہے اور میں اس عکس سے کہاں تک پہونچ جاتی ہوں جہاں پر کہ آپ کھڑے ہیں، یعنی جب اس میں درد ہوتا ہے آپ سامنے آتے ہیں اور آپ کے آنے پر کل درد مٹ جاتے ہیں، اس لئے

ہے پاس دوستوں کے تیرے یہی نشانی ۔۔۔ یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

اِس لئے یہ زخم نہیں کُل زخموں کا ایک علاج ہے، یہ درد نہیں دَوا ہے، یہ

غیریت نہیں یگانگت ہے، یہ خار نہیں گلستاں ہے، پس بھگوان ایسی چیز کو بس چلتے کون جدا کر سکتا ہے،

اب غور فرمائیے! زخم کے ساتھ بھگوان کرشن کا تعلق یا خیال عین راحت ہے، لیکن ایک دفعہ بھگوان کرشن برندابن کے گلزار میں رادھے جی سے جُدا ہو گئے تھے تو وہ گلزار اُن کو کانٹے سے زیادہ تیز اور چبھنے والا ہو گیا تھا،

پس خار ہے　　　خار ، ہے

نمود ، وجود

دنیا ، رام

ایک نظر تو خار تک ہے ، اور دوسری محض "ہے" تک ہے،

اور تیسری "خار" اور "ہے" کے تعلق میں ہے،

پہلی نظر،

عین عذاب خواہ گل کو سامنے رکھے یا خار کو کیونکہ گل مرجھانے پر چُبھے گا اور خار سامنے آتے ہی خلش پیدا کریگا۔

دوسری نظر، محض لاتعلقی، یا دُنیا سے بے خبری، ترک نمود، عین سرور، نبرتی مارگ، لاتعلقی میں سرور

تیسری نظر، عین سرور اور کھیل میں مشغول، پرورتی مارگ یعنی تعلقات میں

لاتعلقی یا سُرور،

اِس لئے

بسکہ در جانِ فگار و چشم بیمارم توئی ہر کہ آید در نظر از دور پندارم توئی

بجز او نیست در سرائے وجود بہ حقیقت دگر کسے موجود

خار ہے، گُل ہے، گُل کی اصلی Beauty خوبی سوندریہ کیا

ہے 'ہے'، اور خار میں بھی 'ہے' ہے۔ خار کا نمود میں نامرغوب ہونا صرف

چبھنے کی وجہ سے ہے اور گُل کا نامرغوب ہونا مرجھانے کی وجہ سے ہے، جیسے

گُل کا حصُول نمود میں خوشی ہے ویسے ہی خار کا معدوم ہونا نمود میں خوشی ہے ع

ہے ظہورِ ذاتِ واحد در لباسِ نَو بنَو

پس جو چیز بھی سامنے آئے اُس میں 'ہے' کو سامنے رکھکر یا تو بالکل ہی

بھُول جاؤ یا ہے کی لائی ہوئی سمجھ کر اُس سے موافقت پیدا کر لو اسے دیں!

تو کسقدر خوش نصیب ہے جس کے چاروں طرف حُسن کی دُنیا ہے کوئی ذرّہ بھی

نامرغوب نہیں،

جب تیرے دل میں ہر وقت اِس حُسن کا خیال رہیگا تو تو بھی حُسن سے لبریز

ہوکر اپنی گرفتاری کو کھو بیٹھے گی، ؎

گر گل گذرد بخاطرت گل باشی ‌ ‌ ‌ ‌ ور بلبل بے قرار بلبل باشی، ‌ ‌ لاادری

تو جزوی و حق کل ست اگر روزے چند ‌ ‌ ‌ ‌ اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی،

What you think you become.

او حسن کے لازوال سمندر میں غوطہ لگانے والی میں، تو کسقدر خوش نصیب ہے، ایسے قادر کی موجودگی میں کوئی غیر تو تجھ تک پہونچ ہی نہیں سکتا، اور جو تجھ تک پہونچے گا وہ اُس کا بھیجا ہوا یا لایا ہوا ہوگا، اِس لئے وہ کسی خاص خوبی یا بہتری کے لئے ہوگا، پس جو چیز بھی سامنے آئیگی وہ ہے، یا رام کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے اِس لیے رام میں دِل کو دیکر اُس چیز سے مناسب تعلق پیدا کرلے، اب سے تو رام کے ساتھ ہے بس آرام تیرے ساتھ ہے، تو خار میں یار کو دیکھ رہی ہے اور یار تجھ میں گلزار کو دیکھ رہا ہے، اُٹھ اور اِس غفلت کے پردہ کو پھاڑ کر پھینک دے تو خوبی، رحمت علم کے سمندر میں ہے تجھے یہ جہالت زیب نہیں دیتی، تو کس کا ذرّہ ہے، جو کہ کل ہے اس لئے اپنے کُل کی طرف دیکھ اور اِس جزویت کو چھوڑ دے، تو خوبی کے اندر ہے اس لئے تو بھی خوبصورت ہے، تو محبت کے اندر ہے اِس لئے تو بھی محبت ہے، تو ہستی علم سرور کے اندر ہے اس لئے تو بھی اِن اوصاف سے علیحدہ نہیں

ایک مُدت سے تو خُدا کے نقطہ کو نیچے دیکھ رہی ہے اب آنکھ کو حسن لازوال کیطرف
کھول اور بیخود ہو کر اِس جُدائی میں خدائی کے وجود کو دیکھ

سکھ منی
انک پائے رُوگ نہیں جائے — روگ مٹے ہَرا و کھدلائے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — وے طبیب جملہ علتہائے ما

قیس
ہر جز میں مجھے کل کا تماشا نظر آیا
قطرہ لئے آغوش میں دریا نظر آیا

تیرے اِردگرد خوبی ہے، حُسن کی جان ہے اور تیرا ننھا سا دل ازل سے شراب محبت سے گوندھا گیا ہے، اب یہ دِل تو نے کس کے لئے رکھا ہے حُسن کی شعاعوں کے لئے یا حسن کے آفتاب کے لئے، اُٹھ! اور فراخدلی سے جسم و جسمانیت، خویش و اقارب، تعلقات رنج و راحت، ترقی اور تنزل ہستی اور مستی کے خیالات کو اُس کے آگے چڑھا دے اور خود مِٹ جا، یعنی اُس ایک کے ساتھ Zero صفر بَن جا،

نیستی ہستی ہے یارو اور ہستی کچھ نہیں — بیخودی مستی ہے یارو اور مستی کچھ نہیں
بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہونا ہے نیاز — کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں

تیرا سب کچھ اُس کا ہے، اِس لئے اُسکی چیزیں اُسکے آگے رکھتے کون مشکل سامنے

آتی ہے ؎

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرے تجھ کو سونپتے کیا لاگے ہے میرا

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو اب جب اُس کے سامنے اپنی ہستی سے انکار کریگی تو اُس کو بہر حال تجھ کو بڑھانا منظور ہوگا اور وہ "ایک"، تجھ صفر کے ساتھ لگ کر تجھے دُس کردیگا تیرا دوبارہ اِنکار تجھ کو سو اور سہ بارہ ہزار کردیگا ای طرح تیری قیمت لاانتہا ہوجائیگی لیکن یاد رکھ کہ لاانتہا قیمت کو پاکر بھی ایک سے غافل نہ ہونا اور اپنی نیستی کو اُس ہستی کے ساتھ نہ بھول جانا ورنہ لاانتہا قیمت پر پہونچکر بھی اُس ایک کو ترک کرنے سے تو سوائے Zero کے اور کچھ نہ رہے گی۔

نتیجہ

تیرے اردگرد حُسن کی دُنیا ہے، جو چیز بھی تیرے سامنے آئے گی، وہ اِس حُسن لاانتہا سے خالی نہیں ہوسکتی ہے، اِس لئے تو اس حُسن لاانتہا اور عین محبت کی طرف دیکھکر اُس چیز کو بھول جا یا اُس کو اس کے تعلق سے راحت بخش سمجھ اور دوسرے اِس حسن لازوال کے آگے اپنا دل، جان، مال رکھ دے اور بڑی شرمندگی کے ساتھ دل ہی دل میں کہہ ؎

گر مرا در دست بودے جاں نثارش کردمے

چوں کنم چیزے نثارش جاں مرا در دست نیست

اپنے آپ کو اُس کے آگے چڑھا دے یا اُسکی ہستی کے ساتھ اپنے آپ کو محض نیست سمجھ یا اپنے اِس اہنکار خودی کو اُس کے ساتھ گانٹھ لے جو تعلق بھی تجھے اُس سے پیدا کرنا منظور ہو وہ کر لے اور ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جا، اگر تو ہی سب کچھ ہے تو تجھے کس بات کی فکر ہے اور اگر تو کچھ بھی نہیں تو بھی تجھ کو کس بات کا غم ہے، اور اگر تو اُس کا بندہ غلام داس پر انش ہے تو بھی تیرا سہارا لاانتہا ہے اِس لئے حقیقت لازوال کو سامنے رکھکر بے فکر ہو جا، تجھ تک کوئی بغیر اُس کے نہیں پہونچ سکتا ہے اور جو اُس کے ساتھ آئے گا وہ بغیر اُس کے حکم کے تجھ پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتا تیرے چاروں طرف رام ہے، حُسن ہے، خوبی ہے، نامرغوب کوئی ہے نہیں، تیرا عشق پورا ہے تیرا سُرور کامل ہے،

تلاطم خیز بحرِ حُسن و خوبی ہے اہا ہا ہا +

حواس و ہوش کی کشتی کو دم بھر میں بہاتا ہے   راقم

اب معلوم، دُنیا یا تو وہ ہے یا اُس کے ساتھ ہے، یہ دونوں خیال حُسن کی جان ہیں اور تیرا دل تو اپنی سرشت میں حُسن کا شیدائی ہے، اِس لئے

نامرغوب یا غیرادر مخالفت کو نہ دیکھتا ہوا دل میں سکون کو قائم رکھ

حق جان جہان ست و جہاں جملہ بدن　　　توحید ہمین ست و دِگر ہا ہمہ فن

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　مے برد ہرجا کہ خاطر خواہ اوست

اپنی مرضی اُس کے آگے چڑھا دے اور راحت ابدی کو حاصل کرلے

خیز و جامِ عشرتے را از کنار خود بگیر　　　اے اسیر جستجوئے درمیانِ منزلے

بجز او نیست در سرائے وجود　　　بہ حقیقت دگر کسے موجود

اُوم شم

اے لاانتہا طاقت، تیری بارگاہ عالی میں یہی پرارتھنا ہے کہ اپنے حُسن کی شعاع ہمارے دلوں میں دے کر ہم کو اپنا کرلے۔

وجدانیات

نمودِ حباب

چون رسیدم بر لبِ دریائے ہنگامہ وش　　　در کنارِ او بدیدم نالہ ہائے اضطراب

موج صرصر اندرون جوش خود بر سینہ اش　　　کرد پیدا یک جہانِ نقشہائے پیچ و تاب

نزدِ ساحل ماجرائے پُر اثر بنمود رُو — یعنی کہ آمد صدائے سوزشِ دردِ حباب
ناتوانی اندرونم آشیانِ خویش کرد — پیکرم را اسم و صورت بس نمودے از سراب
پیکرِ من از فسونِ نیستی آمد بروں — ہستیِ من مبتلائے جلوہ ہائے سحرِ خواب

آہ رازِ زندگیم شورشے ہنگامہ
آہ نقشِ ہستیِ من فتنۂ افسانہ"

سحر جواب

خیز و جامِ عشرتے را از کنارِ خود بگیر — اے اسیرِ جستجوئے درمیانِ منزلے
ہستیِ تو اندرونِ خویش رازِ جاوداں — لا تعلّق از قیودِ نقشہائے باطلے
ظاہرِ تو یک نمودے نالہ و فریاد بس — باطنت نامحرمے از سوزہائے بسملے
"پیکرِ تو از فسونِ نیستی آمد بروں" — اندرونِ علمِ حق ایں گفتگو از غافلے
ہستیِ تو ہست ظاہر از خیالِ نیستی — نیستی را نیست کردن جلوہ ہائے محفلے

از کمالِ ہستیِ خود خویش را دلشاد کن
از نشیمنہائے باطل پیکرت آزاد کن

ناتھ